اس ناول میں شامل ہے ایڈونچر ٹائمز اسکول میگزین کا شمارہ نمبر 3

محمود، فاروق، فرزانہ
اور انسپکٹر جمشید
سیریز
736

قتل کی پیشکش

اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے کارنامے

اشتیاق احمد

احادیث شریف

حضرت بہز بن حکیمؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

"افسوس ہے اس شخص پر جو گفتگو کرتے وقت لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولے۔ افسوس ہے اس پر!"

(ترمذیؒ، احمدؒ، ابوداؤدؒ، اور دارمیؒ)

☆☆

حضرت سفیان بن اُسید حضرمیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ:

"سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ تو اپنے مسلمان بھائی سے کوئی بات کہے اور وہ تیری بات کو سچ سمجھ لے مگر حقیقت میں تو نے اسے جھوٹی بات کہی ہو۔"

(ابوداؤدؒ)

☆☆

دو باتیں

السلام علیکم!

قسط کی پیشکش آپ کو چکرا کر رکھ دے گی، آپ اس قدر چکر پر چکر کھائیں گے کہ خود کو گھن چکر محسوس کرنے لگیں گے ..... لیکن میرا مقصد آپ کو گھن چکر بنانے کا نہیں ہے.... میری تو کوشش ہے، اللہ کرے آپ زندگی میں ایسے کسی چکر میں نہ پڑیں.... دوسروں کو چکر دینے کی کوشش نہ کریں تا کہ کوئی آپ کو چکر نہ دے۔ آج اس دنیا میں چکر بہت ہیں.... ہر کوئی دوسرے کو چکر دینے کی فکر میں بُری طرح چکر کھا رہا ہے دوسرں کو چکر دیے بغیر گزارا نہیں..

گویا ہمارے نزدیک بس یہی معیار زندگی رہ گیا ہے.... اور اس کی وجہ ہے.... یہ کہ ہم نے دین کے عملی پہلو کو ترک کر کے صرف دین کی ظاہری صورت اپنا رکھی ہے۔ ہم اوپر سے دینداروں کے حلیے میں ہیں اور اندر سے اوروں کی طرح مادیت پرست...... جہاں دنیاوی فائدے کی بات آتی ہے دین کے نام لیوا بھی دینی احکام کو بالائے طاق رکھ کر مفاد پرستوں کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ بس...... اپنا الو سیدھا ہو جائے... دوسرے جائیں بھاڑ میں، ان کا نقصان ہوتا ہے، ہو، ان کا بیڑہ غرق ہوتا ہے، ہو، اپنا ایک پیسہ بچانے کے لیے ان کے ایک لاکھ روپے کا نقصان ہوتا ہو تو بھی ہم یہی چاہتے ہیں.... ہمارا ایک پیسہ محفوظ رہے.... ہمیں دوسروں کے لاکھ سے کیا... جب نوبت یہاں تک پہنچے گی... تو اس دنیا میں کیا نہیں

ہوگا... ہم دوسروں کو چکر پر چکر کیوں نہیں دیں گے بھلا...

افسوس! میں دور نکل گیا... اس ناول کا نام کسی قسم کے چکر پر تو ہے ہی نہیں... پھر بھلا میں کیوں لفظ چکر کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا... ہو کیا گیا ہے مجھے... ہم... مگر نہیں... مجھے نہیں... چکروں کو کچھ ہو گیا ہے... میں ان کے پیچھے نہیں پڑا... بلکہ یہ چکر میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں... اللہ ان چکروں کے چکروں سے بچائے۔ آمین

والسلام

اشتیاق احمد

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ

☆ یہ وقت عبادت کا تو نہیں۔

☆ آپ کو اسکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا۔

☆ آپ نے کسی کو وقت تو دے نہیں رکھا۔

☆ آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔ اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے عبادت اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔

شکریہ

اشتیاق احمد

جھیل کی تہہ

"اس وقت اس گھر میں نو آدمی موجود ہیں... ان نو میں سے ایک شخص ایسا ہے، جس نے ایک، بہت خوفناک ظلم کیا ہے۔ اب یا تو وہ سب کے سامنے اپنے ظلم کا اقرار کرے، معافی مانگے اور مظلوم کا مطالبہ پورا کرے، ورنہ میں اسے قتل کر دوں گا... وہ قتل اس گھر میں ہوگا... لہٰذا نو کے نو افراد میں سے کوئی بھی یہاں سے جانے کی کوشش نہ کرے... جو کوشش کرے گا، بس وہی وہ ظالم ہوگا... یوں بھی ہم یہاں چھٹیاں گزارنے کے لیے آئے ہوئے ہیں... پورے دس دن کا پروگرام ایک ساتھ رہنے کا بنا کر آئے ہیں... لہٰذا کسی کو جانے کی ضرورت بھی کیا ہے... ہاں وہ ضرور جانا چاہے گا جو ظالم ہے... لیکن جانے میں پھر بھی اسے نہیں دوں گا... بے شک آپ میں سے کوئی یونہی تجربہ کر کے دیکھ لے... میں نے تمام انتظامات کر لیے ہیں... ظلم کے اقرار کے لیے میں

چوبیس گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں۔"

یہ رقعہ انہیں ناشتے کی میز پر ملا تھا۔ رات کا کھانا ان سب نے یہیں مل کر کھایا تھا اور بہت خوش گوار فضا میں فارغ ہو کر یہاں سے اٹھے تھے... اب جو وہ سب ناشتے کے لیے جمع ہوئے تو یہ رقعہ نظر آیا۔ ان سب نے رقعے کو پڑھ کر گھبراہٹ کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا... اور پھر سے رقعے کو پڑھنے لگے... دوسری بار پڑھنے کے بعد پھر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... آخر ان میں سے ایک نے سرسراتی آواز میں کہا:

"یہ... یہ کیا ہے۔"

"رقعہ!" دو تین کے منہ سے نکلا۔

"وہ تو ہم بھی دیکھ رہے ہیں کہ یہ رقعہ ہے... اور جو اس پر لکھا ہے، اس کو بھی ہم پڑھ چکے ہیں، لیکن اس کا مطلب کیا ہے۔"

"کہنے کو تو رقعے کا مطلب بھی صاف سمجھ میں آرہا ہے۔" ایک اور نے کہا۔

"اجمل ضیائی صاحب... اس مسئلے پر تو آپ ہی روشنی ڈال سکتے ہیں... اس لیے کہ آپ ہمارے میزبان ہیں... آپ ہی کی دعوت پر ہم سب یہاں جمع ہوئے ہیں۔" ایک اور نے کہا۔

"ہاں! ٹھیک ہے... یہ کوٹھی میری ہے... میں نے ہی آپ لوگوں کو یہ چھٹیاں یہاں گزارنے کی دعوت دی تھی... لیکن اس معاملے کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں... میں تو خود حیرت زدہ ہوں... بلکہ خوف زدہ بھی ہوں... میری

سمجھ میں کچھ نہیں آرہا کہ ہم کیا کریں..."

ایسے میں دروازے کی گھنٹی نے سب کو چونکا دیا۔ انہوں نے حیران ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا... حیرت انہیں اس بات پر ہوئی تھی کہ یہ کوٹھی کسی عام جگہ پر نہیں تھی۔ یہ تو شہر سے باہر ایک خوب صورت جھیل کے کنارے تعمیر کی گئی تھی... اور بہار کے موسم میں اس کے چاروں طرف پھول ہی پھول نظر آتے تھے... نظارے اس قدر دل فریب ہوتے تھے کہ ہر کوئی اس موسم کی چھٹیاں یہاں گزارنا پسند کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جونہی اجمل ضیائی اپنے دوستوں کو دعوت دیتے، وہ فوراً آجاتے۔ اس بار بھی یہی ہوا تھا... اب اس مقام پر گھنٹی بجنا عجیب اسی لیے تھا کہ یہ کوئی گزرگاہ نہیں تھی...

"رانا... دیکھو... باہر کون ہے..." اجمل ضیائی نے اپنے ملازم سے کہا۔

رانا کے قدموں کی آواز سنائی دی... پھر انہوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی... تھوڑی دیر کے لیے ان سب کی توجہ اس طرف ہو گئی... اور موجودہ مسئلہ گویا لمحاتی طور پر ان کے ذہنوں سے نکل گیا۔ پھر انہوں نے قدموں کی آواز سنی... رانا اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

"باہر ایک بڑی گاڑی میں کچھ لوگ موجود ہیں... ان کا کہنا ہے... ان کی گاڑی میں اچانک کوئی خرابی ہو گئی ہے... اور خرابی ہوئی بھی ہے اس کوٹھی کے سامنے... سڑک سے کوٹھی انہیں صاف نظر آئی تو یہ گاڑی کو اس طرف لے آئے... کیونکہ وہاں آس پاس سائے کی کوئی جگہ نہیں... اب وہ سائے میں

اپنی گاڑی کا نقص دور کرنا چاہتے ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے... تم انہیں مناسب جگہ دکھا دو... اور انہیں پانی وغیرہ کی ضرورت ہو تو وہ بھی دے دو... کوئی اور چیز مانگیں تو انکار نہ کرنا..."

ملازم چلا گیا تو وہ پھر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے...

"ہاں تو ہمیں اس مسئلے میں کیا کرنا چاہیے... ہم نو افراد ہیں... ہم میں سے ایک تو وہ ہے... جس نے یہ رقعہ لکھا ہے... اور ایک وہ ہے... جو اس رقعے کا مخاطب ہے... باقی سات کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں، لیکن پھنس وہ بھی گئے ہیں۔" اجمل ضیائی کہتے چلے گئے۔

"ہاں اجمل میاں یہی بات ہے... مارے پریشانی کے میرا تو برا حال ہو گیا... اگر خدانخواستہ یہاں قتل کی واردات ہو گئی تو ہمارا کیا حال ہو گا... پھر پولیس کو بھی بلانا پڑے گا... اور اس طرح یہ خاص قسم کی تفریح خاک میں مل جائے گی... لہٰذا ہم رقعہ لکھنے والے سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ رحم دلی سے کام لیں... اگر انہیں کسی سے کوئی شکایت ہے... تو براہ راست اس سے معاملہ طے کریں... باقی لوگوں کو کیوں الجھن میں ڈالتے ہیں۔" ایک دوست نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اس کی وجہ ہے قاسم بھائی۔"

"وجہ... کیا مطلب... کون سی وجہ؟" قاسم بھائی نے حیران ہو کر کہا۔

"وہ خود کو بچانا چاہتا ہے... ظاہر ہے... نو آدمیوں کے درمیان اگر

کسی شخص کو کوئی خفیہ طور پر قتل کر دے تو پولیس کے لیے قاتل کو پکڑنا ایک مسئلہ ہو گا..." اجمل ضیائی بولے۔

"لیکن اس طرح باقی سب کے لیے بھی تو مشکل ہو گی۔"

"ہونا تو یہی چاہیے کہ وہ ہم سب کا احساس کرے اور اپنے ارادے سے باز آ جائے... جس نے ظلم کیا ہے... اس سے براہ راست بات کرے... بلکہ اس صورت میں ہم اس کی مدد کریں گے اور ظالم سے ظلم کا بدلہ دلوائیں گے۔" اجمل ضیائی نے روانی کے عالم میں کہا۔

"ہو سکتا ہے... وہ خود کو ظالم پر ظاہر نہ کرنا چاہتا ہو... ظالم کو بھی اس کے بارے میں معلوم نہ ہو..." قاسم بھائی نے خیال ظاہر کیا۔

"اب ہم لوگوں کے لیے مسئلہ یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی جانا چاہے تو بھی نہیں جا سکتا... کیونکہ باقی خیال کریں گے کہ یہی وہ ظالم ہے... اور اس لحاظ سے میں کہتا ہوں کہ یہ ہمارے اس دوست کی بہت بڑی زیادتی ہے... اسے اپنا یہ فیصلہ واپس لے لینا چاہیے... اور ایک رقعہ اور لکھ کر اس کا اعلان کر دینا چاہیے... ہم اس سے درخواست کرتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک... یہ ہماری ان سے درخواست ہے۔" باقی سب ایک آواز ہو کر بولے۔

"ارے... یہ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔" اجمل ضیائی کے منہ سے خوف کے عالم میں نکلا۔

ان کی آنکھیں پھیل گئیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا... باقی لوگ ان کی یہ

حالت دیکھ کر بوکھلا اٹھے:

☆☆

"ویسے انکل خان رحمان کی گاڑی ہے عقل مند۔" فاروق نے شوخ انداز میں کہا۔

"لیجیے... اب بے جان چیزیں بھی عقل مند ہونے لگیں... آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔" فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

"بھئی پہلے سن تو لو... اس نے یہ بات کہی کیوں ہے۔" خان رحمان ہنسے۔

"چلو سناؤ۔" محمود نے غصے کے انداز میں کہا۔

"تو انگارے کیوں چبا رہے ہو۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"نہیں تو... میں کیوں چباتا انگارے... یوں بھی یہ موسم بہار ہے... انگارے موسم سرما میں تو چبائے بھی جا سکتے ہیں۔"

"چلو بتاؤ فاروق... انکل خان رحمان کی گاڑی عقل مند کیسے ہے؟"

"وہ خراب ایسی جگہ ہوئی ہے... جو کسی تفریحی مقام سے کم نہیں... جب کہ ہم جا بھی تفریحی مقام کی طرف رہے ہیں... لہٰذا جب تک گاڑی ٹھیک نہیں ہو جاتی... کیوں نہ ہم اس دلفریب جھیل کے کنارے کنارے ٹہل لیں... ذرا پھولوں سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"دیکھ لو۔" فرزانہ نے گویا خبردار کیا۔

"کیا دیکھ لوں؟" فاروق نے اس کی طرف تیز نظروں سے دیکھا۔

"پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی ہوتے ہیں، کہیں کسی کیس سے ملاقات نہ ہو جائے۔"

"حد ہو گئی... جھیل کے کنارے کیس کہاں سے آئے گا بھلا۔"

"گھوم لو بھئی گھوم لو... گاڑی میں خرابی لمبی ہے... کافی وقت لگ جائے گا۔" گاڑی کے نیچے لیٹے انسپکٹر جمشید نے ہنس کر کہا۔

خان رحمان اور پروفیسر داؤد ان کی مدد کر رہے تھے... اجازت ملتے ہی ان تینوں نے جھیل کا رخ کیا... جھیل سے کچھ ہی فاصلے پر ایک شیڈ کے نیچے وہ گاڑی کی مرمت کر رہے تھے... ملازم انہیں یہاں پہنچا کر جا چکا تھا... اس نے جاتے وقت کہا تھا... کسی چیز کی ضرورت ہو تو سامنے واقع کوارٹر پر آ کر بتا دیجیے گا... میں وہاں نہ ہوں تو دروازے پر لگی گھنٹی کا بٹن دبا دیجیے گا... گھنٹی کی آواز مجھے سنائی دے جائے گی۔"

اس کی بات سن کر انہوں نے اس کا شکریہ ادا کیا تھا... اب تینوں جھیل کی طرف بڑھے:

"ارے باپ رے!" اچانک فاروق نے بوکھلا کر کہا... وہ چلتے چلتے رک بھی گیا تھا۔

"اب کیا ہوا؟"

"گگ... گگ..." وہ ہکلایا۔

"گگ... گگ... کیا؟" محمود نے اسے گھورا۔

"میں کہتا ہوں... واپس مڑ چلو... ورنہ ایک عدد کیس سے ملاقات

ہوا ہی چاہتی ہے... پھر ہم شاید آگے نہ جا سکیں...‘‘

’’جب اوکھلی میں سر دیا تو موسلوں کا کیا ڈر۔‘‘ فرزانہ مسکرائی۔

’’سنا تم نے محمود... یہ تو یہاں اوکھلی اور موسل تک لے آئی۔‘‘ فاروق نے مذاق اڑانے کے انداز میں کہا۔

’’جی نہیں... میں لائی نہیں... یہاں پہلے سے موجود ہیں۔‘‘

’’یہ جگہ پراسراری ہے... دیکھو تو اگر کوئی کسی کو قتل کر کے اس کے جسم کے ساتھ وزن باندھ کر اس جھیل میں چھوڑ دے... تو کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا۔‘‘ فرزانہ بڑبڑائی۔

’’چلو کانوں کان نہیں چلے گا... آنکھوں آنکھ تو پتا چل جائے گا۔‘‘ فاروق نے منہ بنایا۔

’’وہ کیسے؟ کیا تم جھیل کی تہ تک دیکھ سکو گے۔‘‘ محمود نے پوچھا۔

’’پتا نہیں... ابھی ہم جھیل کے کنارے کب پہنچے ہیں... وہاں چل کر پتا چلے گا... کہ تہ نظر آتی ہے یا نہیں... ویسے پانی شفاف ہوا تو تہ ضرور نظر آئے گی۔‘‘ فاروق نے فوراً کہا۔

’’اوہو تو یہاں کون سا کوئی کسی کو اس کی تہہ میں اتار رہا ہے... یہ تو یونہی ایک خیال آ گیا۔‘‘ محمود نے منہ بنایا۔

’’بہرحال یہ جگہ بہت پرسکون ہونے کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ پراسرار بھی ہے۔‘‘ فرزانہ بولی۔

’’زبردستی پراسرار نہ بناؤ... ہاں پرسکون ضرور ہے۔‘‘ محمود مسکرایا۔

’’میرا مشورہ بدستور یہی ہے... جس قدر جلد ہو سکے... یہاں سے چل دینا چاہیے۔‘‘ فاروق کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار مصنوعی نہیں تھے۔

’’حد ہو گئی... اب اتنا بھی کیا ڈرنا۔‘‘ فرزانہ جھلا اٹھی۔

’’تو پھر کتنا ڈرنا چاہیے۔‘‘ فاروق نے فوراً کہا۔

’’اوہو... وہ... وہ دیکھو... جھیل کی تہ میں کوئی چیز نظر آ رہی ہے۔‘‘ محمود اچھلا۔

’’ظاہر ہے... وہ جھیل کی تہ ہے... اس میں کنکر، پتھر... سیپیاں گھونگھے وغیرہ بھی کچھ ہو سکتے ہیں۔‘‘ فاروق نے لاپروائی کے انداز میں کہا۔

’’تم دیکھو فرزانہ... یہ حضرت نہیں سنجیدہ ہونے والے۔‘‘ محمود بھنا کر بولا۔

فرزانہ نے جھیل کی تہ میں دیکھا اور بری طرح اچھلی۔ اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔ ساتھ ہی اس کے منہ سے نکلا:

’’ارے باپ رے... یہاں تو کسی کے قتل کا پروگرام ترتیب دیا جا چکا ہے۔‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘ فاروق کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا... پھر اس نے جلدی سے جھیل کی تہ میں دیکھا... اس کے منہ سے کپکپاتی آواز میں نکلا:

’’ارے باپ رے... یہ... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔‘‘

☆☆☆

وہ پھندہ

''لگتا ہے، آج ہم سے گاڑی ٹھیک نہیں ہوگی۔'' خان رحمان کی آواز لہرائی۔

''خیر... یہ تو نہ کہو خان رحمان۔''

''سامنے ان لوگوں کا گیراج ہے ... کئی گاڑیاں وہاں کھڑی ہیں... خان رحمان... تم ذرا گیراج پر ایک نظر ڈال آؤ... اگر اوزاروں کا بیگ مل جائے تو اٹھا لاؤ۔''

''بغیر اجازت اٹھا لاؤں۔''

''اس میں کوئی حرج نہیں... انہوں نے ہمیں اجازت دی ہے... اس اجازت میں چھوٹی موٹی چیزیں شامل ہیں... پھر اوزار صرف استعمال کی چیز ہوتے ہیں... اور وہ ہم یہیں چھوڑ جائیں گے۔'' انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی... وہ بدستور گاڑی کے نیچے تھے۔

''اچھی بات ہے جمشید... لیکن ذمے دار تم ہوگے۔''

''ہاں ہاں! میں ہی ہوں گا... گھر کا کوئی فرد تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔''

خان رحمان چلے گئے... جلد ہی ان کی واپسی ہوئی... ان کے چہرے پر زلزلے کے آثار دیکھ کر پروفیسر داؤد بول پڑے:

''لو بھئی جمشید... لینے گئے تھے اوزاروں کا تھیلا، لے آئے خوف کا میلہ۔''

''ہائیں ہائیں... پروفیسر صاحب... آپ تو شاعر ہوتے جا رہے ہیں۔'' خان رحمان نے ہنس کر کہا۔

''ضرورت سب کچھ بنا دیتی ہے... ابھی آگے آگے دیکھنا، ہوتا ہے کیا... گیراج میں دس گاڑیاں موجود ہیں۔ اوزاروں کا تھیلا بھی موجود ہے... لیکن ایک اور خوفناک چیز وہاں موجود ہے۔''

''اور وہ خوف ناک چیز کیا ہے۔'' انسپکٹر جمشید اور پروفیسر داؤد بولے... انسپکٹر جمشید فوراً گاڑی کے نیچے سے نکل آئے۔

''پھانسی کا پھندہ۔'' ان کے منہ سے نکلا۔

''کک... کیا کہا... پھانسی کا پھندہ...'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''ہاں جمشید... پھانسی کا پھندہ... بالکل تیار... جیسے کوئی یہاں کسی کو پھانسی دینے کی تیاری کر چکا ہو۔''

''ارے باپ رے... یہ تو پھر ایسا لگتا ہے، ہم ایک عدد کیس میں

الجھنے والے ہیں۔'' پروفیسر داؤد نے بوکھلا کر کہا۔

''ہو سکتا ہے... خان رحمان کو وہم ہوا ہو۔'' انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

''اچھا تو پھر آؤ... اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔''

یہ کہہ کر وہ گیراج کی طرف بڑھ گئے... وہ بہت کشادہ گیراج تھا۔ ایک وقت میں پندرہ کے قریب گاڑیاں کھڑی کی جا سکتی تھیں... انہوں نے ایک نظر گیراج پر ڈالی، پھر خان رحمان کی طرف دیکھا:

''ہاں بھئی... کہاں ہے وہ پھندہ۔''

''سرخ رنگ کی کار میں دیکھو جمشید۔''

انہوں نے اشارہ کیا... وہ کار کے نزدیک چلے آئے... اس کے اندر نظر ڈالی اور پھر زور سے اچھلے... کار کے اندر پھانسی دینے کے لیے بنایا گیا ایک پھندہ اس ہک سے لٹک رہا تھا جس سے کار میں سفر کرنے والا اپنے استری شدہ کپڑے لٹکا لیتا ہے... وہ چند لمحے غور سے اس پھندے کو دیکھتے رہے... پھر انسپکٹر جمشید نے کہا:

''اس میں شک نہیں کہ یہ پھانسی دینے والا پھندہ ہی ہے، لیکن اگر اس شخص کا کوئی ایسا ہولناک ارادہ ہے تو وہ اس پھندے کو لٹکا کر بھلا سب کی نظروں میں کیوں آنے لگا... کیا وہ اتنا ہی بے وقوف ہے۔''

''یہ تو اب دیکھنا ہوگا جمشید۔'' خان رحمان بولے۔

''گویا ہمیں یہاں رکنا ہوگا۔''

''اگر یہاں واقعی کوئی ایسا پروگرام کسی کا ہے تو کیا ہم تفریحی مقام کی طرف سفر کر سکیں گے؟'' پروفیسر داؤد بولے۔

''نہیں... بالکل نہیں۔''

ایسے میں دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی... انہوں نے دیکھا... محمود، فاروق اور فرزانہ بدحواسی کے عالم میں چلے آ رہے تھے... پھر انہیں کار کے پاس نہ پا کر وہ بول اٹھے:

''یہ کیا... آپ لوگ کہاں چلے گئے؟''

''ہم یہاں ہیں... تم بھی ادھر ہی آ جاؤ۔''

تینوں نے گیراج کا رخ کیا...

''یہ کیا... تم تینوں کے چہروں پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں۔''

''ہم نے جھیل کی تہ میں ایک چیز دیکھی ہے... وہ چیز اس طرف اشارہ کرتی نظر آتی ہے کہ اس بنگلے میں کوئی شخص کسی کو قتل کرنا چاہتا ہے۔'' فرزانہ نے سرسراتی آواز میں کہا۔

''کیا!!!'' ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا...

''جی ہاں! یہی بات ہے... لیکن شاید آپ کو میری بات پر یقین نہیں آیا۔''

''نہیں... ایسی کوئی بات نہیں... ہمیں پوری طرح یقین ہے۔'' وہ مسکرائے۔

''جی... کیا مطلب؟ آپ نے اس قدر جلد کیسے یقین کر لیا؟''

"اس لیے کہ ہم خود بھی ایک ایسی چیز دیکھ چکے ہیں۔"

"ارے باپ رے... اور وہ کیا چیز ہے۔"

"یہ دیکھو... یہ رہا... پھانسی کا پھندہ۔"

"اوہ... ارے ہائیں۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

ایسے میں بہت سے قدموں کی آواز سنائی دی... وہ جلدی سے آواز کی طرف مڑے...

"اوہو! یہ ہم کیا دیکھ رہے۔" کئی آوازیں ابھریں۔

"ہائیں... یہ... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔" دوسری طرف سے بھی کئی آوازیں ابھریں۔

"مطلب یہ کہ دونوں طرف دیکھنے کا عمل برابر ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"انسپکٹر جمشید! یہ آپ ہیں۔" اجمل ضیائی کی آواز ابھری۔

"اور اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ اجمل ضیائی ہیں..." انسپکٹر جمشید بھرپور انداز میں مسکرائے۔

"بالکل درست... میرا خیال ہے... ہماری ملاقات 20 سال بعد ہو رہی ہے... اس وقت ہم یونیورسٹی میں پڑھا کرتے تھے... ہمارا دو سال تک ساتھ رہا تھا۔"

"جی ہاں! یہی بات ہے... لیکن آپ یہاں کہاں؟"

"یہ... یہ بنگلہ میرا ہے... میں یہیں رہتا ہوں... دراصل باپ دادا

کی جائیداد بے تحاشہ ہے... اس لیے جائیداد کی دیکھ بھال کے سوا کوئی اور کام تو ہوتا نہیں... لہٰذا فرصت کے اوقات بہت زیادہ ہوتے ہیں... اس خوب صورت اور پُر بہار جگہ پر میں اکثر اپنے دوستوں کو دعوتیں دیتا رہتا ہوں اور یہ ان لوگوں کی خاص مہربانی ہے کہ ادھر میں بلاتا ہوں... اِدھر یہ آجاتے ہیں... اور شاید یہ اللہ کی خاص مہربانی ہے کہ آپ اس وقت یہاں موجود ہیں... ورنہ میں تو پولیس کو بلانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"جی... کیا مطلب؟"

"آئیے... ہم لان میں چل کر بیٹھتے ہیں... اب ہم آپ کو اس قدر جلد تو جانے نہیں دیں گے... جب کہ ہمیں آپ جیسے دوست کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔"

"اچھی بات ہے... گاڑی کو ہم پھر دیکھ لیں گے... پہلے آپ سے کچھ باتیں کر لیں۔"

"گاڑی کی فکر نہ کریں... میں اپنے مکینک کو بلا لیتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔"

اور پھر وہ صحن میں آکر بیٹھ گئے... پہلے تو اجمل ضیائی نے اپنے سب دوستوں کو ان کے بارے میں ان الفاظ میں بتایا۔

"یہ ہیں، میرے یونیورسٹی کے ساتھی اور دوست انسپکٹر جمشید... ہمارے ملک کے مشہور و معروف سراغ رساں... جنہوں نے بڑے بڑے مجرموں کو ناکوں چنے چبوا دیے..."

''اوہ... اوہ! یہ وہ انسپکٹر جمشید ہیں۔'' ایک مہمان مارے حیرت کے بولا۔

''ہاں! یہ وہی ہیں، ان کے بارے میں میں چونکہ اخبارات میں پڑھتا رہتا ہوں، اس لیے بتا سکتا ہوں... یہ ان کے دوست خان رحمان اور پروفیسر داؤد ہیں... خان رحمان ریٹائرڈ فوجی ہیں اور پروفیسر داؤد صاحب ہمارے ملک کے مشہور و معروف سائنس دان ہیں... اور یہ ان کے بچے ہیں... محمود، فاروق اور فرزانہ... میں نے تعارف ٹھیک کرایا نا۔'' یہ کہتے ہوئے اجمل ضیائی مسکرا دیے۔

''بالکل درست... اب آپ اپنے مہمانوں کا تعارف بھی کرا دیں...''

''یہ آٹھ کے آٹھ افراد میرے قریبی دوست ہیں... میں ان کے نام بتا دیتا ہوں... ضرورت پیش آئی تو ان کے بارے میں مزید باتیں بھی بتا دوں گا... یہ ہیں عارف تیمور، اور یہ ہیں، سرفراز جنونی، یہ قاسم گبور، یہ شعبان سلیم، آگے چلیے... اس طرف یہ ہیں کاشف بارو، طفیل منا، انصار خان، جالب نور اور میرا نام وہ تو آپ جانتے ہی ہیں... اجمل ضیائی... گھر میں دو ملازم ہیں... رانا، ہاشم... یہ اتفاق سے دونوں سگے بھائی ہیں بہت پرانے ملازم ہیں... میں سال میں دو تین مرتبہ اپنے دوستوں کو یہاں بلاتا ہوں... تا کہ ہم موسم کا خوب لطف اٹھا سکیں... یہاں کے دل خوش کن نظاروں کے مزے لوٹ سکیں... لیکن اس مرتبہ شاید یہ مزے کرکرے ہو جائیں۔''

''کرکرے مزے... بھئی واہ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔'' فاروق بول اٹھا۔

''جی... کیا مطلب؟'' اجمل ضیائی نے حیران ہو کر کہا۔

''یہ کہنا کہ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے... ان کا تکیہ کلام سمجھ لیں۔'' انسپکٹر جمشید نے جلدی سے کہا اور ساتھ ہی فاروق کو گھورا بھی۔

''تو ابا جان... اس میں گھورنے کی کیا بات ہے۔'' فاروق سہمے انداز میں بول اٹھا۔

اور وہ مسکرانے لگے...

''ابھی تھوڑی دیر پہلے جب ہم سب ناشتے کی میز پر جمع ہوئے... تو ہمیں میز پر ایک رقعہ ملا۔''

''رقعہ...'' ان کے منہ سے نکلا۔

''جی ہاں! رقعہ... یہ لیں، پہلے آپ رقعہ پڑھ لیں۔''

انہوں نے رقعہ پڑھا... اور تین بار پڑھا... پھر انسپکٹر جمشید بولے:

''یہ تو بہت آسان کام ہو گیا... آپ میں سے ان صاحب کو پہچانا جا سکتا ہے... جنہوں نے یہ رقعہ لکھا ہے، لیکن اس سے پہلے میں یہ کہنا پسند کروں گا کہ وہ صاحب خود ہی اپنے آپ کو ظاہر کر دیں اور اپنے ارادے سے باز آ جائیں... یہ بتا دیں کہ کس نے ظلم کیا ہے، لہذا سب کے سامنے ظلم کا حساب لے لیا جائے گا... اس طرح یہ معاملہ احسن طریقے سے ختم ہو جائے گا... لیکن اگر انہوں نے خود کو ظاہر نہ کیا تو پھر ہم اپنے طریقے سے چٹکی بجاتے انہیں ظاہر

کر دیں گے... اور انہیں مجبور کریں گے کہ وہ قلم کی کہانی سنا دیں... اس طرح بھی یہ معاملہ اچھے طریقے سے حل ہو جائے گا... بس اس سے آگے اس معاملے کو نہیں چلنا چاہیے... اب ہم ان سے درخواست کرتے ہیں... وہ بتا دیں کہ رقعہ انہوں نے لکھا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے اور ان سب کے چہروں کا جائزہ لینے لگے... ان سبھی کے چہروں کے رنگ بدلتے نظر آئے... اس لمحے انہوں نے شدید الجھن محسوس کی۔ جب کوئی کچھ نہ بولا تو انہوں نے کہا:

''اچھی بات ہے... اب آپ کو اپنی اپنی تحریر کا نمونہ دینا ہوگا... آپ لوگ کاغذ قلم سنبھال لیں... اور چند جملے اپنی مرضی سے لکھ کر دے دیں...''

وہ مشینی انداز میں حرکت میں آئے اور جملے لکھنے لگے... ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری:

''یہ کیا اجمل ضیائی صاحب... آپ کیوں نہیں لکھ رہے۔''

''م... میں... کیا میں بھی لکھوں... میں تو میزبان ہوں...''

''آپ کو بھی جملے لکھنے ہوں گے۔'' انسپکٹر جمشید کے لہجے میں سختی آگئی۔

اجمل ضیائی نے انہیں گھورا اور جملے لکھنے لگے... پھر نو کے نو کاغذ ان کے پاس جمع ہو گئے... اب انہوں نے رقعے کے الفاظ کو ان نو سے ملانا شروع کیا... ان کا خیال تھا کہ وہ چند منٹ میں رقعہ لکھنے والے کے بارے میں معلوم

کر لیں گے... لیکن ان کا خیال غلط نکلا... وہ بہت زور سے اچھلے۔ ان کے منہ سے بے اختیارانہ انداز میں نکلا:

''ارے! یہ کیا؟''

☆☆☆

دوسرا طریقہ

''کیا ہوا؟'' کئی آوازیں ابھریں۔

''نو کے نو حضرات میں سے کسی کی تحریر بھی کاغذ والی تحریر سے نہیں ملتی۔''

''آپ تو کہہ رہے تھے... ابھی چند منٹ میں تحریر لکھنے والے کا پتا چلا لیں گے۔'' اجمل ضیائی طنزیہ انداز میں مسکرائے۔

''میرا خیال غلط تھا... وہ پراسرار آدمی اتنا بھی سیدھا نہیں... اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے رقعے والی تحریر اپنی عام تحریر میں نہیں لکھی... بلکہ تحریر کو بدل کر لکھا ہے... لیکن وہ خوش فہمی کا شکار ہے... تحریر کے ماہرین بدل کر لکھی جانے والی تحریر کو بھی پکڑ لیتے ہیں... لیکن یہاں ہمارے پاس ماہرین نہیں ہیں... لہٰذا ہم ان صاحب کو کسی اور طرح سے پکڑیں گے۔''

''ایک منٹ ابا جان!'' فرزانہ کی آواز سنائی دی۔

وہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہو گئے... باقی بھی اس کی طرف دیکھنے

لگے:

''ابھی ہم نے ملازمین سے جملے نہیں لکھوائے...''

''اوہ ہاں!'' وہ بولے۔

''کیا مطلب... ملازمین کا بھلا اس معاملے سے کیا تعلق؟'' اجمل ضیائی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''تعلق ہے یا نہیں... چیک تو کرنا ہو گا... مہربانی فرما کر ملازمین کو بھی یہیں بلا لیں... تاکہ ان سے بھی جملے لکھوا لیے جائیں۔''

ہاشم اور رانا کو بلایا گیا... ان کے آگے قلم اور کاغذ رکھے گئے...

''ان پر چند جملے لکھ دیں۔''

''جی... کیا مطلب؟'' وہ ایک ساتھ بولے۔ لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی۔

''آپ دونوں کو رقعے والے واقعے کا پتا ہے نا۔''

''جی... جی نہیں۔''

''پہلے آپ انہیں ساری بات بتا دیں۔''

اجمل ضیائی نے انہیں تفصیل سنا دی...

''اب ہم آپ دونوں کی تحریروں کے نمونے لے کر اس رقعے کی تحریر سے ملا کر دیکھیں گے۔''

''لیکن جناب! ہمارا بھلا اس معاملے سے کیا تعلق۔''

''تعلق ہے یا نہیں... ہمیں اپنا کام اپنے طریقے کے مطابق انجام

دینا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔"

پھر انہوں نے بھی جملے لکھ دیے... ان کے جملے بھی رقعے سے ملا کر دیکھے گئے تحریر میں زمین آسمان کا فرق نظر آیا۔

"ٹھیک ہے... اب ہمیں دوسرا طریقہ اختیار کرنا ہوگا..."

"دوسرا طریقہ... کیا مطلب؟"

"تحریر کے ماہرین سے چیک کرائیں گے... لیکن اس کام میں ایک دو دن لگ جائیں گے... اور ہم تفریحی پروگرام بنا کر گھر سے چلے تھے۔"

"میرا خیال ہے، اب آپ کو اپنے تفریحی پروگرام میں تبدیلی کرنا ہو گی... آپ اسی جگہ کو تفریحی مقام خیال کر لیں۔" ایک مہمان نے جلدی سے کہا۔

"آپ کا نام عارف تیمور ہے شاید۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی ہاں!"

"عارف تیمور صاحب... یہ بات میزبان کی مرضی پر منحصر ہے۔"

"کیا بات کرتے ہیں انسپکٹر جمشید... یہ آپ کا گھر ہے... آپ یہاں جب تک چاہیں... رہ سکتے ہیں..."

"لیکن واضح رہے... ہم یہاں تفریح کے لیے نہیں ٹھہریں گے... یہ جاننے کے لیے رکیں گے کہ وہ شخص کون ہے... جس نے رقعہ لکھا ہے... اور وہ ظالم کون ہے... کوئی ظالم ہے بھی یا نہیں... وہ کیوں اسے قتل کرنا چاہتا

ہے..."

"ہم سب بھی تو یہ جاننے کے لیے بری طرح بے چین ہیں۔" اجمل ضیائی بولے۔

"اچھی بات ہے... اب ہم اس معاملے سے پردہ اٹھا کر ہی جائیں گے اور ان شاء اللہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے... سب سے پہلے ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ سرخ رنگ کی کار کس کی ہے۔"

"کیا مطلب؟" عارف تیمور کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"تو سرخ کار آپ کی ہے۔"

"ہاں بالکل ہے... تو پھر... اس سے کیا ہوتا ہے..."

"آپ نے اپنی کار میں پھانسی کا پھندہ کیوں لٹکا رکھا ہے۔"

"کیا کہا... پھانسی کا پھندہ۔" کئی خوف زدہ آوازیں ابھریں۔

"ہاں! پھانسی کا پھندہ۔"

"آپ... آپ کا مطلب ہے... میری کار میں پھانسی کا پھندہ لٹکا ہوا ہے۔"

"ہاں! جس ہک سے استری شدہ سوٹ لٹکایا جاتا ہے... اس ہک سے ایک عدد پھانسی کا پھندہ لٹک رہا ہے۔"

"نن نہیں۔" عارف تیمور نے خوف کے عالم میں کہا... پھر اٹھ کر باہر کی طرف دوڑے۔

"ایک منٹ... ابھی آپ اس پھندے کو ہاتھ نہ لگائیں... کیا

آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ نے اپنی کار میں ایسا کوئی پھندہ نہیں لٹکایا۔"

"نہیں ... بالکل نہیں۔" وہ چلائے۔

"اگر آپ کی بات سچ ہے تو پھر یہ کام اس شخص کا ہے۔ جس نے وہ رقعہ لکھا ہے۔"

"اس پھندے سے وہ کیا ظاہر کرنا چاہتا ہے۔" اجمل ضیائی نے مارے خوف کے کہا۔

"وہ اس شخص کو یہ یقین دلا دینا چاہتا ہے کہ کچھ بھی ہو ... وہ انتقام لے کر رہے گا ... یعنی اگر اس نے اس کا مطالبہ نہ مانا تو۔"

"اور یہ بات جھیل بھی پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔" فرزانہ بول پڑی۔

"جھیل پکار پکار کر کہہ رہی ہے ... کیا مطلب ... یہ کیا بات ہوئی۔"

"جھیل کا کہنا ہے ... وہ شخص واقعی قتل کرنے پر تلا ہوا ہے ... اس نے پوری تیاریاں مکمل کر رکھی ہیں ... پہلے اس نے تیاریاں مکمل کیں ... پھر وہ رقعہ لکھا ..." انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"جھیل کی تہ میں ایک ایسی چیز ہے ... کہ اگر کوئی اس کی تہ میں اتر جائے ... یعنی نہاتے ہوئے جھیل کی تہ تک چلا جائے تو اس کا پاؤں وہیں پھنس جائے گا ... اور وہ اوپر ابھر نہیں سکے گا، اس طرح اس کی موت واقع ہو جائے گی۔"

"نن ... نہیں ..." ایک مہمان نے خوف کے عالم میں کہا۔

"آپ کا نام غالباً سرفراز جنونی ہے۔"

"جی ... جی ہاں۔"

"یہ بات سن کر آپ خوف میں کیوں مبتلا ہوئے ... جب کہ باقی کے چہروں پر جھیل کے بارے میں سن کر خوف نہیں آیا۔"

"وہ ... وہ اس لیے کہ جھیل میں نہانے کا شوقین صرف میں ہوں اور غوطے بھی لگاتا ہوں ... غوطہ لگا کر جھیل کی تہ تک جانا اور پھر اوپر ابھرنا میرا شوق ہے اور میں اس میں ماہر ہوں ... لل ... لیکن اگر وہاں کسی آنکڑے وغیرہ میں میرا پاؤں پھنس جاتا ہے تو ظاہر ہے میں اوپر نہیں ابھر سکوں گا ... ارے باپ رے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ایک زوردار جھرجھری لی۔

"چلیے ایک بات تو طے ہوئی ... وہ ظالم آپ ہیں ... ورنہ جھیل میں آنکڑہ نہ بچھایا جاتا۔"

"نہیں ... یہ اندازہ آپ کا غلط ہے ... میرا کسی ظلم سے کوئی تعلق نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

"کیا آپ لوگوں میں سے کوئی اور بھی غوطہ لگانے کا شوقین ہے۔"

"نہیں ... ہم نہا ضرور لیتے ہیں ... تیر بھی لیتے ہیں ... لیکن غوطہ کوئی نہیں لگاتا ... سوائے سرفراز صاحب کے۔" اجمل ضیائی بولے۔

"سرفراز صاحب ... آپ نے اپنے نام کے ساتھ جنونی کیوں لگایا ہے۔"

"دراصل مجھے شاعری کا شوق ہے ... اور جنونی میرا تخلص ہے۔"

"اوہ اچھا۔"

''معاملہ الجھ گیا ہے جمشید ... ہمیں یہ کیس جتنا آسان نظر آ رہا تھا...
یہ اسی قدر مشکل لگ رہا ہے۔'' خان رحمان بول پڑے۔

''ہاں خان رحمان! اس میں شک نہیں ... بات یہی ہے ... لیکن تم
فکر نہ کرو ... ہم مجرم کو پکڑ لیں گے۔''

''مجرم ... یہ آپ مجرم کسے کہ رہے ہیں۔'' ایک اور مہمان بولے۔

''ارادۂ قتل بھی جرم ہے ... اور وہ اپنا یہ ارادہ اس رقعے کے
ذریعے ظاہر کر چکا ہے ... نہ صرف ظاہر کر چکا ہے ... بلکہ پھانسی کے پھندے
اور آنکڑے سے ثابت بھی کر چکا ہے ... اس لیے میں نے اسے مجرم کا نام دیا
ہے ... یوں بھی فی الحال ہم اسے مجرم کے نام ہی سے پکار سکتے ہیں۔''

''تب پھر جمشید ... اس کا آسان حل یہی ہے کہ تحریروں کے نمونے
ماہرین کو بھیج دیے جائیں...''

''ہوں ٹھیک ہے ... اجمل صاحب ... یہاں سے شہر تک جانے کا کیا
ذریعہ ہے ... میرا مطلب ہے ... ہم اس کے لیے کیا کریں ... جب کہ ہم سب
یہاں ٹھہرنا چاہتے ہیں۔''

''یہ جگہ شہر سے آٹھ گھنٹے کے راستے پر ہے ... گویا رپورٹ آنے
میں کم از کم بیس گھنٹے تو لگ جائیں گے ... یہ دیکھ لیں۔'' اجمل بولے۔

''ہو سکتا ہے ... ہمارا کام اس کے بغیر چل جائے ... تحریر کی
رپورٹ کی ضرورت ہی پیش نہ آئے ... اس کے باوجود بہتر یہی ہو گا کہ تحریر کے
نمونے ہم شہر بھیج دیں۔''

''اچھی بات ہے ... آپ پیکٹ تیار کر لیں ...'' رانا کسی گزرتی
ہوئی بس کے ڈرائیور کو دے آئے گا ... اس کا نمبر اور اڈے کا نام نوٹ کر لے
گا ... وہ نام اور نمبر آپ اپنے ماتحت کو نوٹ کرا دیں ...''

''کیا آپ پہلے بھی اس طرح چیزیں ارسال کرتے رہتے ہیں۔''

''ہاں! اکثر ... بسوں والوں سے ہماری علیک سلیک ہے۔''

''اچھی بات ہے۔''

پھر انہوں نے ڈاک کا پیکٹ تیار کیا ... اکرام کے لیے ہدایات
لکھیں اور ملازم کے حوالے کر دیا۔ وہ لے کر چلا گیا:

''لیکن جمشید ... شہر سے رپورٹ آنے تک ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو
بیٹھ نہیں سکتے۔'' خان رحمان نے پریشان ہو کر کہا۔

''فکر نہ کرو ... ہم اپنا کام جاری رکھیں گے ... محمود، فاروق اور
فرزانہ تم ذرا سرخ کار پر اپنا کام کر آؤ۔''

''جی اچھا۔'' تینوں ایک ساتھ بولے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

''سرخ کار ... پر کام ... کیا مطلب؟'' اجمل ضیائی نے چونک کر
کہا۔

''تم جاؤ ... اور جلدی آنے کی کوشش کرو ...'' انہوں نے کہا۔

ان کے جانے کے بعد انسپکٹر جمشید نے اجمل ضیائی سے کہا:

''دیکھیے ... سرخ کار عارف تیمور صاحب کی ہے ... ٹھیک ہے ...
ان کا کہنا ہے کہ اندر پھانسی کا پھندہ انہوں نے نہیں لٹکایا ... اب اگر یہ بات

درست ہے تو ظاہر ہے کسی اور نے یہ کام کیا ہے... اس کے لیے اس نے کار کا دروازہ بھی کھولا ہوگا... کار کا دروازہ کھولنے کے لیے اس نے چند چابیاں آزمائی ہوں گی... اس طرح کار کے دروازے پر اس کی انگلیوں کے نشانات آگئے ہوں گے... اگر ہمیں وہاں نشانات مل جاتے ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں، پھندہ وہاں کس نے لٹکایا ہے۔"

"اوہ اوہ۔" کئی آوازیں ابھریں... قریب قریب سب کے چہروں پر خوف نظر آرہا تھا۔

"ویسے اس سارے معاملے کا بہترین حل یہ ہے کہ وہ صاحب یہ بتا دیں کہ کیا ظلم ہوا ہے اور کس نے کیا ہے... ہم ظالم سے ظلم کا اقرار کرالیں گے اور اس سے ظلم کا ازالہ کرنے کے لیے کہیں گے... بلکہ اس سے ازالہ کرالیں گے ان شاء اللہ! اس طرح کوئی الجھن سرے سے پیدا نہیں ہوگی۔"

"بات معقول ہے... میرے معزز مہمانو! آپ میں سے جس نے بھی رقعہ لکھا ہے... وہ خود کو ظاہر کردے... اور بتادے کہ کس نے کس پر ظلم کیا ہے۔" اجمل ضیائی نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں:

"بتادیں بھئی... کون ہیں وہ... بتادیں... کیوں سب کو پریشان کررہے ہیں..."

اس پر بھی کسی نے کچھ نہ کہا۔ آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"اچھا تو پھر میرے ایک سوال کا جواب دیں... آپ میں سے

کیپٹن بلیک سگریٹ کون پیتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

☆☆☆

آنکڑہ اور پھندہ

☆☆☆

"چلو فاروق... چھڑکو کار کے دروازے پر پاؤڈر..." محمود نے گیراج میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں! کیوں نہیں... اسی لیے تو آئے ہیں۔"

فاروق نے پاؤڈر چھڑک دیا... نشانات نمایاں ہوگئے... اب انہوں نے ننھے سے کیمرے کے ذریعے نشانات کی تصاویر لے لیں... اس کیمرے سے ساتھ ہی تصاویر نکل آتی تھیں... فلم دھلوانے کی ضرورت نہیں تھی... اس نے کیمرے سے پرنٹ نکال کر دیکھے... نشانات بالکل صاف نظر آئے۔

"لو! یہ کام تو..."

فاروق کہتے کہتے رک گیا...

"کیا ہوا... رک کیوں گئے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"کار کے دروازے پر سے نشانات مل گئے... ہم نے محفوظ بھی کر

لیے... لیکن وہ پھندہ تو اب یہاں ہے ہی نہیں۔"

"ارے!" ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر محمود نے کہا:

"جس وقت ہم یہاں سے گئے تھے، اس وقت پھندہ یہاں موجود تھا... ہم یہاں سے بنگلے کے اندرونی حصے میں ساتھ ہی گئے تھے... یعنی اس وقت سب مہمان اور میزبان ساتھ تھے اور جب تک ہم وہاں موجود رہے ہیں، وہ سب لوگ بھی اسی کمرے میں موجود رہے ہیں... مطلب یہ کہ وہاں سے کوئی ایک منٹ کے لیے بھی نہیں نکلا... اس صورت میں پھندہ کہاں گیا..."

"یہ بات واقعی حیرت انگیز ترین ہے... اور ہاں... کیوں نہ ہم جھیل کی تہ کا بھی جائزہ لے لیں۔" محمود سرساتی آواز میں بولا۔

"بالکل ٹھیک۔" فاروق نے فوراً کہا اور وہ جھیل کی طرف دوڑ پڑے۔

اس کے کنارے پر پہنچ کر وہ رک گئے... انہوں نے تہ میں دیکھا... اور پھر ان کے چہروں پر حیرت دوڑ گئی... اب تہ میں آنکڑہ بھی نہیں تھا۔

"لو بھئی... یہ تو آنکڑہ بھی غائب ہے... اس کا کیا مطلب ہوا بھلا۔"

"میرے خیال میں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پھانسی کا پھندہ اور آنکڑہ غائب کرنے والا کوئی اور ہے... یعنی نہ تو وہ مہمانوں میں سے کوئی ہے

اور نہ اجمل ضیائی ہے... بلکہ وہ کوئی اور ہے... کیونکہ یہ سب لوگ ہمارے ساتھ موجود ہیں۔"

"تب پھر اس گھر میں دو ملازم باقی رہ جاتے ہیں... یہ کام ان کا یا ان میں سے ایک کا ہو سکتا ہے۔"

"اس صورت میں کار کے دروازے پر پائے جانے والے نشانات اس کے ہوں گے... آؤ چلیں۔"

وہ تیز تیز قدم اٹھاتے اس کمرے میں آئے جہاں سب لوگ موجود تھے... انسپکٹر جمشید ان کے چہروں پر نظر ڈالتے ہی بولے:

"معلوم ہوتا ہے... کوئی خاص بات پیش آگئی ہے... اور تم نشانات والا کام درمیان میں چھوڑ کر ادھر آگئے ہو۔"

"نہیں ابا جان... نشانات تو خیر ہم لے آئے ہیں... البتہ خاص بات بھی پیش آئی ہے۔"

"اور... اور وہ کیا؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"سرخ کار... یعنی عارف تیمور صاحب کی کار سے پھندہ غائب ہے اور جھیل سے آنکڑہ بھی غائب ہے۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے نکلا... سب کے چہروں پر حیرت نظر آئی۔

"ہم... ہم سب تو یہاں موجود رہے ہیں... پھر بھلا ان دونوں چیزوں کو کس نے غائب کیا؟" اجمل ضیائی بولے

"اس گھر میں ہم سب کے علاوہ دو ملازم بھی ہیں۔" عارف تیمور نے منہ بنایا۔

"اوہ ہاں... میں انہیں بلاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے گھنٹی بجادی... جلد ہی دونوں ملازم اندر آگئے۔

"کیا حکم ہے جناب۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"ایک منٹ... پہلے تو یہ بتائیں... گھنٹی کے جواب میں آپ دونوں کیوں آئے... ایک بھی تو آسکتا تھا۔"

"گھنٹی دو بار بجی تھی... ایک بار بجتی تو ایک آتا... یہ اشارہ طے ہے۔" ہاشم نے فوراً کہا اور اجمل ضیائی کی طرف دیکھا... گویا وہ اس بات کی تائید ان سے چاہتا تھا...

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"ٹھیک... اچھا یہ بتائیں... عارف تیمور صاحب کی سرخ رنگ کی کار میں جو پھندہ تھا... وہ کیوں نکالا... اور وہ کہاں ہے۔"

"جی... کیا فرمایا... پھندہ... ہمیں تو کسی پھندے کے بارے میں معلوم تک نہیں۔"

"اور جھیل کی تہ میں موجود آنکڑہ کس نے نکالا۔"

"جی... کیا کہا... آنکڑہ... وہ کیا ہوتا ہے۔" ہاشم بولا۔

اب انہوں نے آنکڑے اور پھندہ کے بارے میں بتایا... مارے حیرت کے ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"ہمیں ان دونوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔"

"محمود... تم نے کار کے دروازے پر سے نشانات اٹھائے۔"

"جی ہاں! بالکل اٹھائے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے تصاویر ان کے سامنے رکھ دیں... انسپکٹر جمشید نے دونوں ملازمین کی انگلیوں کے نشانات ان نشانات سے ملائے... وہ بالکل مختلف تھے۔

"حیرت ہے... کمال ہے... یہ انگلیوں کے نشانات تو کسی اور ہی کے ہیں... اس کا مطلب ہے، وہ کوئی اور ہے جو یہاں موجود لوگوں میں سے کسی ایک سے کوئی انتقام لینا چاہتا ہے..."

"اوہ! اوہ۔" ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"اس معاملے میں سسپنس ہر لمحے بڑھتا جا رہا ہے... اب ہمیں تفتیش کے دائرے کو بڑھانا ہوگا... آس پاس کا جائزہ لینا ہوگا... وہ شخص کون ہے، کہاں چھپا ہوا ہے... لیکن کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ آپ میں سے جس کسی نے وہ ظلم کیا ہے... خود ہی بتا دے... اس طرح یہ معاملہ ختم ہو جائے گا... مظلوم کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے... اس کا ازالہ کر دیا جائے... معاملہ ختم ہو جائے گا... سب لوگ خوف کی حالت سے نجات پا لیں گے۔" انسپکٹر جمشید روانی کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

اب وہ پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے... گویا ہر کوئی یہ خواہش محسوس کر رہا تھا کہ ان میں سے کوئی ایک اس راز سے پردہ اٹھا دے... لیکن کئی منٹ گزرنے پر بھی کوئی کچھ نہ بولا۔

"مطلب یہ کہ وہ صاحب خود اپنا ظلم ظاہر نہیں کریں گے... اس طرح وہ شخص انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور ہو جائے گا... اور یہ ایک خطرناک بات ہوگی... اگرچہ ہم یہاں موجود ہیں اور ہماری پوری کوشش ہوگی کہ وہ وار نہ کر سکے... لیکن پھر بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ ہم بچانے میں کامیاب ہو ہی جائیں گے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں... ہم میں سے وہ جو کوئی بھی ہے... صاف صاف بتا دے... تاکہ باقی سب اس صورت حال سے نجات پا لیں۔"

اب بھی کوئی کچھ نہ بولا:

"افسوس! وہ بتانے پر تیار نہیں..." انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"مطلب یہ کہ اب ہمیں حرکت میں آنا پڑے گا... چلیے پھر بسم اللہ کیجیے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

انسپکٹر جمشید اٹھ کھڑے ہوئے... اور سرد آواز میں بولے:

"اگر وہ صاحب خود کہانی سنا کر سب کے لیے آسانی پیدا کر دیتے، یہ بات خود ان کے حق میں مفید تھی... لیکن وہ ایسا کرنے پر آمادہ نہیں... اب وہ جانیں... ان کا کام... اب ہمیں ان کے خلاف کام کرنا ہے... کسی کو یہ بات منظور ہو یا نہ ہو... ہم معلوم کر لیں گے... ظالم نے اگر واقعی ظلم کیا ہے، اسے اس کا حساب دینا ہوگا... وہ نامعلوم شخص اگر انصاف دلانے کے لئے غیر قانونی طریقہ اختیار کرے گا تو اسے بھی عدالت کا سامنا کرنا ہوگا... آؤ بھئی چلیں۔" انہوں نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

اپنے ساتھیوں کو ساتھ لیے وہ پہلے گیراج میں آئے...

''سب سے پہلے جوتوں کے نشانات کا جائزہ لو... اگر وہ کوئی باہر کا آدمی ہے تو ضرور اس کے جوتوں کے نشانات ان سب کے جوتوں سے مختلف ہوں گے۔''

انہوں نے تائید میں سر ہلا دیے... اور جوتوں کے نشانات کو غور سے دیکھنے لگے... فرزانہ ان نشانات کو گننے لگی۔

''حد ہوگئی، ہے کوئی تک... بھئی نشانات کو غور سے دیکھنا ہے... گننے کی کیا ضرورت۔'' فاروق نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

''گن لینے سے یہ بات فوراً معلوم ہو جائے گی کہ وہ کوئی باہر کا آدمی ہے یا نہیں۔'' فرزانہ مسکرائی۔

''اوہ ہاں... بالکل ٹھیک۔'' محمود پر جوش لہجے میں بولا۔ انسپکٹر جمشید نے بھی سر ہلا دیا۔

نشانات کو گنا گیا... وہ بارہ جوتوں کے تھے۔

''بنگلے میں کل مہمان آٹھ ہیں... نویں ہو گئے اجمل ضیائی اور دو ہو گئے ان کے ملازم... یہ کل گیارہ ہیں... جب کہ نشانات بارہ کے ہیں... اب صاف ظاہر ہو گیا کہ وہ کوئی اور ہے... اور اس کا مطلب ہے... پہلے وہ سرخ کار میں پھندہ لگانے کے لیے یہاں آیا اور جھیل میں آنکڑہ رکھنے کے لیے بھی آیا... لیکن یہ کام ہماری آمد سے پہلے کا ہے... البتہ پھندہ نکالنے اور جھیل میں سے آنکڑہ نکالنے کا کام اس نے اس وقت کیا... جب کہ ہم اندر موجود تھے اور

یہ اس نے بہت دلیری کا کام کیا ہے... اسے دیکھا جا سکتا تھا اور اس طرح پکڑا جا سکتا تھا... لیکن شاید... وہ بے خوف قسم کا آدمی ہے... آؤ جھیل کا جائزہ لیں... اس کے آنے اور جانے کے نشانات ضرور موجود ہوں گے... اس طرح ہمیں امید ہے کہ اس جگہ تک پہنچ سکتے ہیں... جہاں وہ چھپا ہوا ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

''بہت خوب جمشید۔'' پروفیسر داؤد بولے۔

پھر انہوں نے جھیل کا جائزہ لیا... اس کے آس پاس بھی بارہ جوتوں کے نشانات تھے... انہوں نے دیکھا، گیارہ نشانات بنگلے کے اندر کی طرف جا رہے تھے جب کہ ایک جوتے کے نشانات باغ کی طرف جاتے نظر آئے۔

ان پر اب اور زیادہ شوق سوار ہو گیا... وہ اس سمت میں قدم اٹھانے لگے... آخر باغ میں ایک جگہ انہیں ایک ایسا گھنا درخت نظر آیا جس میں کوئی انسان خود کو بہت آسانی سے چھپا سکتا تھا... اس درخت کے نیچے بھی وہ نشانات نظر آئے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے ایک لمبا سانس لیا اور بولے:

''تو وہ یہاں چھپا ہوا تھا... اس نے دیکھا کہ ہم نے گاڑی اور جھیل کا جائزہ لیا ہے... تو وہ خوف زدہ ہو گیا... اس نے گاڑی سے پھندہ نکالا اور جھیل سے آنکڑہ نکالا اور یہاں سے کھسک لیا... اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیں بہت اچھی طرح پہچانتا ہے... اسی لیے اس نے سوچا... اب اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے، ورنہ اس کی خیر نہیں... اس نے موقعے کی نزاکت کو بھانپ لیا... اور غائب ہو گیا... اب اسے تلاش کرنا آسان کام نہیں ہوگا... البتہ جس

شخص کو وہ ظالم سمجھتا ہے... اگر وہ ہمارا ساتھ دے تو ہم اس تک پہنچ سکتے ہیں... لیکن معلوم ہوتا ہے... وہ صاحب پولیس کی نظروں میں آنے سے بہت گھبراتے ہیں... اس لیے اب تک بالکل خاموش ہیں۔ ان کی خاموشی کم از کم ایک بات ثابت کر رہی ہے۔''

''اور... وہ کیا؟'' کئی آوازیں ابھریں۔

''یہ کہ انہوں نے ظلم کوئی واقعی کیا ہے... لہٰذا ہماری ان سے درخواست ہے... وہ اپنے ظلم کا اقرار کر لیں... پھر ہم ان صاحب کو بھی یہاں بلا لیں گے... آپس میں صلح ہو جائے گی... یہ بہترین حل ہے...'' وہ یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے... لیکن ان سب افراد میں سے اب بھی کوئی کچھ نہ بولا۔

''معلوم ہوتا ہے... وہ صاحب اپنا ظلم ظاہر نہیں کریں گے... میں انہیں خبردار کیے دیتا ہوں، اس صورت میں وہ بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں۔''

اب بھی کوئی کچھ نہ بولا... آخر تنگ آ کر انہوں نے کہا... ان حالات میں ہمارا یہاں سے چلے جانا بہتر ہے... ہماری کوئی ضرورت یہاں نہیں رہ گئی... وہ نامعلوم شخص بھی یہاں سے جا چکا ہے...''

''لیکن انسپکٹر جمشید میرے دوست جب وہ دیکھے گا کہ آپ لوگ یہاں سے چلے گئے ہیں تو وہ پھر آ جائے گا اور اپنے پروگرام پر عمل شروع کر دے گا۔'' اجمل ضیائی نے پریشان ہو کر کہا۔

''نامعلوم شخص کی یہاں موجودگی کی صورت میں ہمارے یہاں رہنے کا کوئی جواز بنتا ہے... اس کی عدم موجودگی میں نہیں... خیر... آج رات ہم یہیں ہیں... صبح تک اگر کوئی تبدیلی واقع ہوتی ہے... تو ہم نئے سرے سے غور کریں گے۔''

آخر رات کا کھانا کھایا گیا... اس کے بعد چہل قدمی کی گئی... اور پھر سونے کا پروگرام شروع ہوا... اس وقت انسپکٹر جمشید نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''میں خوف محسوس کر رہا ہوں۔''

''جی! کیا کہا آپ نے، آپ خوف محسوس کر رہے ہیں۔''

''ہاں بالکل...''

''یقین نہیں آیا۔'' فاروق بولا۔

''اوہو... بھئی میں اس شخص کے لیے خوف محسوس کر رہا ہوں جس نے کوئی ظلم کیا ہے... اپنے لیے نہیں۔''

''لیکن ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔''

''سو سکتے ہیں۔'' فاروق جلدی سے بولا۔

ان کے چہروں پر مسکراہٹیں تیر گئیں... لیکن یہ مسکراہٹیں بجھی بجھی تھیں۔''

دوسری بات جہاں تک میرا خیال ہے... وہ شخص سرفراز جونی ہے... کیونکہ غوطہ لگانے کا شوقین صرف وہ ہے... لہٰذا آنکڑے سے نقصان صرف اسے پہنچ سکتا تھا...'' انسپکٹر جمشید پرخیال لہجے میں بولے۔

''لیکن جمشید... پھندہ عارف تیمور کی کار میں تھا... کیا وہ نامعلوم

آدمی اس سے یہ نہیں بتانا چاہتا کہ اس کا شکار عارف تیمور ہے... یعنی وہ ظالم عارف تیمور ہے... اور یہ کہ اسے فوراً اپنے ظلم کا اعلان کر دینا چاہیے۔" خان رحمان بولے۔

"ظالم صرف ایک ہے... دو نہیں..." انسپکٹر جمشید نے انکار میں سر ہلایا۔

"تب پھر جمشید... تم ہی بتاؤ... پھندہ عارف تیمور کی کار میں کیوں تھا۔"

"ہو سکتا ہے... وہ نامعلوم شخص عارف تیمور ہو... اور وہ پھندہ تیار کر کے لایا ہو... ساتھ ہی وہ اس سے وہ یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ وہ نامعلوم آدمی کوئی اور ہے... تبھی تو اس نے پھندہ اس کی کار میں لٹکایا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے خیال ظاہر کیا۔

"اس سارے معاملے میں زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں غائب کرنے میں ان نو میں سے کسی کا بھی ہاتھ نہیں ہے... وہ کسی اور نے غائب کی ہیں..." محمود بول اٹھا۔

"اسی سے ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ کوئی باہر کا آدمی ہے... ان نو میں سے نہیں ہے۔" فرزانہ بولی۔

"کچھ بھی ہو... یہ معاملہ حد درجے پر اسرار اور خوفناک ہے..."

کافی دور تک سیر کرنے کے بعد وہ واپس آئے تو کافی تھک چکے تھے... اور پھر انہیں جلد ہی نیند نے آلیا... ان کی گہری نیند اس وقت ختم ہوئی جب بنگلے میں ایک تیز اور ہولناک چیخ گونجی۔

☆☆☆

بچپن کی کہانی

"کک... کہیں یہ چیخ میں نے خواب میں تو نہیں سنی... مم... مگر نہیں... میں تو اس وقت ایک بہت ہی پر فضا مقام کی سیر کر رہا تھا... وہ بھی بالکل کسی لفٹ کی طرح۔" فاروق کی بڑبڑائی آواز سنائی دی۔

"کیا کہا... بالکل کسی لفٹ کی طرح؟"

"ہاں بالکل... میں ایک چھلانگ لگاتا تو سرسبز پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچتا تھا... میں وہاں سے نیچے چھلانگ لگاتا تھا تو اس خوب صورت وادی کے دامن میں پہنچ جاتا تھا... سچ مچ بہت مزہ آ رہا تھا... لیکن اس چیخ نے... ارے باپ رے... وہ... وہ چیخ کس کی تھی..."

"کم از کم ہم میں سے کسی کی نہیں تھی۔" محمود کی آواز سنائی دی۔

"حد ہو گئی... ہم باتوں میں لگ گئے۔" انسپکٹر جمشید اچھل کر کھڑے ہو گئے اور کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکل آئے... سب کمروں کا ایک ایک دروازہ صحن میں اور دوسرا باہر کی طرف باغ میں کھلتا تھا... اس وقت انہوں

نے صحن والا دروازہ کھولا تھا۔ انہوں نے دیکھا... اجمل ضیائی صحن کے بیچوں بیچ کھڑے تھے... ان کے چہرے پر خوف ہی خوف تھا۔

"اوہ آپ... اچھا ہوا، آپ آگئے، میں... میں خواب میں ڈر گیا تھا۔ خواب میں میں نے ایک لرزہ خیز چیخ سنی تھی۔"

"نن... نہیں۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"نن... نہیں کیا؟" اجمل ضیائی نے ہونقوں کی طرح کہا۔

"وہ... وہ خواب نہیں تھا... حقیقت میں کوئی چیخا تھا۔"

"کیا..." وہ چلا اٹھے۔ اب ان کی آنکھوں میں اور زیادہ خوف سما گیا۔

ایسے میں ایک کمرے کا دروازہ کھلا... اور عارف تیمور کی صورت نظر آئی... اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا:

"یہ... یہ کون چیخا تھا... وہ بھی اس قدر دردناک آواز میں؟"

"تو آپ نے بھی چیخ سنی تھی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی... جی ہاں... میں گہری نیند سو رہا تھا... کہ اس چیخ کی آواز سے آنکھ کھل گئی... کیا آپ کو معلوم ہے... چیخ کس کی تھی۔"

"نہیں... بالکل نہیں... ویسے ہم بھی چیخ کی آواز سن کر ہی جاگے ہیں۔"

اور پھر کمروں کے دروازے کھلنے لگے... آوازیں گونجنے لگیں۔

"کک... کیا ہوا... کون چیخا تھا... کیا معاملہ ہے۔"

"ایک چیخ کی آواز ہم سب نے سنی تھی... اسی چیخ سے ہماری آنکھ کھلی ہے... مہربانی فرما کر بتادیں... کون چیخا تھا اور کیوں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کک... کون چیخا تھا اور کیوں... ہاں واقعی... بتادیں جو صاحب چیخے تھے۔" اجمل ضیائی بولے۔

"ہم... میں تو نہیں چیخا تھا۔" ایک مہمان بولا۔

"اور نہ میں۔" دوسرے نے کہا۔

"اوہو... پہلے یہ تو دیکھ لیں... آپ میں سے کوئی کم تو نہیں ہے... ہوسکتا ہے... چیخنے والا صحن میں موجود ہی نہ ہو۔"

"نن... نہیں۔" ڈری ڈری آوازیں ابھریں۔

پھر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... اچانک اجمل ضیائی چیخے:

"ہم میں سرفراز جتوئی نہیں ہیں۔"

"کیا!!!" وہ چلا اٹھے۔

پھر سب سے پہلے اجمل ضیائی نے سرفراز جتوئی کے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی... ان کے کمرے کا دروازہ بند تھا... اجمل ضیائی نے دروازے پر دباؤ ڈالا... لیکن کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔

"سرفراز صاحب... کیا آپ اندر ہیں۔" اجمل ضیائی پوری قوت سے چلائے۔

جواب میں خاموشی طاری رہی...

''باغ والے دروازے کو دیکھنا چاہیے۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ ان کے ساتھیوں نے بھی دوڑ لگا دی... لیکن باقی لوگ وہیں کھڑے رہے... ظاہر ہے... اگر باغ والا دروازہ اندر سے بند نہیں تھا تو وہ کھول ہی دیتے، لہٰذا اب کے سب کو اس طرف جانے کی ضرورت نہیں تھی۔

انسپکٹر جمشید باغ کی طرف سے دروازے پر پہنچے... دباؤ ڈالا تو دروازہ اندر سے بند تھا...

''ارے باپ رے... یہ دروازہ بھی اندر سے بند ہے... اس کا مطلب ہے... سرفراز جتوئی اندر ضرور ہیں... سرفراز صاحب... آپ خیریت سے تو ہیں۔''

سرفراز جتوئی کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

''محمود... تم اجمل ضیائی صاحب کو بلا کر لے آؤ... اب یہ دروازہ توڑنا ہوگا... لیکن پہلے ہم ان سے اجازت لے لیں۔''

محمود دوڑ کر گیا اور اجمل ضیائی صاحب کو بلا کر لے آیا... ان کے ساتھ عارف تیمور اور دو اور مہمان بھی تھے:

''کیا معاملہ ہے۔'' اجمل ضیائی کی آواز میں گھبراہٹ تھی...

''یہ دروازہ بھی اندر سے بند ہے... اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ دروازہ توڑ دیا جائے۔''

''گویا اب دروازہ توڑنے والے کو بلایا جائے۔'' اجمل ضیائی نے

پریشان ہو کر کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں... ہم خود توڑ لیں گے۔''

''لیکن میرے پاس اس قسم کے کوئی اوزار نہیں ہیں۔''

''آپ فکر نہ کریں... بس آپ کی اجازت کی ضرورت ہے۔''

''اجازت ہے۔''

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے پیچھے ہٹ کر دروازے پر زوردار ٹکر ماری... دروازے کے قبضے اکھڑ گئے۔ تاہم وہ ٹوٹا نہیں... اب وہ پھر پیچھے ہٹے اور ٹکر دے ماری۔ اس بار دروازہ کھل گیا۔ ساتھ ہی ان کی چیخیں بلند ہو گئیں۔

اندر کا منظر ہولناک تھا۔ دروازے کے دائیں طرف ایک کھڑکی تھی۔ اس کھڑکی کے بالکل ساتھ فرش پر سرفراز جتوئی پڑا تھا۔ اس کا سر پھٹا ہوا تھا... یوں لگتا تھا جیسے کوئی وزنی چیز پوری طاقت سے ماری گئی ہو... لیکن کھڑکی میں سلاخیں تھیں... کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا اور دوسرا دروازہ بھی اندر سے بند ہی تھا... کمرے میں خون پھیلا ہوا تھا... سرفراز جتوئی کافی صحت مند آدمی تھا... اس میں خون بھی زیادہ تھا... اس لیے پورے فرش پر خون پھیلا ہوا تھا... وہ سب کے سب دروازے پر ہی رک گئے تھے۔

''اُف مالک! یہ کیا ہوا؟'' اجمل ضیائی کپکپاتی آواز میں بولے۔

''کک... کیا یہ خودکشی ہے۔'' ایک مہمان بولا۔

''ہاں قاسم گبور صاحب... یہ خودکشی ہی ہے... کیونکہ دونوں

دروازے اندر سے بند ہیں اور کھڑکی میں لوہے کی سلاخیں ہیں... ان حالات میں اندر تو کوئی آ نہیں سکتا تھا... لہٰذا سرفراز جتوئی نے خودکشی کی ہے۔"

"جی نہیں... یہ قتل ہے۔" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"کیا کہا آپ نے... یہ قتل ہے۔"

"ہاں! وہ بھی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت۔" انسپکٹر جمشید کی آواز سرسرائی۔

"آخر کیسے... یہ کیسے ممکن ہے... کمرے کے دونوں دروازے بند ہیں... اس بات کے خود آپ گواہ ہیں... کھڑکی میں سلاخیں لگی ہیں... لہٰذا یہ قتل کیسے ہو سکتا ہے... صاف خودکشی کا کیس ہے۔" اجمل ضیائی بولے۔

"جی نہیں... یہ قتل ہے... خودکشی کرنے والا سر میں کوئی وزنی چیز مار کر خودکشی نہیں کرتا، آسان طریقہ ڈھونڈتا ہے... اور پھر کمرے میں وہ وزنی چیز بھی تو موجود نہیں ہے، غور کریں... وہ چیز کہاں ہے... کمرے میں کیوں نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید نے قدرے تیز آواز میں کہا۔

"ارے!" ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"ہے نا عجیب بات... اس کا صاف مطلب ہے... یہ قتل کی واردات ہے۔"

"چلیے! ہم آپ کی بات مان لیتے ہیں... سوال یہ ہے کہ قاتل نے سرفراز جتوئی کو کس طرح قتل کیا ہے۔"

"یہ تو اب ہم دیکھیں گے اور آپ لوگوں کو بتائیں گے ان شاء

اللہ!"

اب انہوں نے کمرے کا بغور جائزہ لیا... وہاں واقعی وہ چیز نہیں تھی... جس سے سر پر وار کیا گیا تھا... قاتل شاید اس چیز کو کمرے میں اس لیے نہیں گرا سکا تھا کہ اس پر اس کی انگلیوں کے نشانات تھے... گویا اس کے پاس دستانے نہیں تھے... ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری:

"ہاں تو کیا خیال ہے تمہارا۔"

"صاف ظاہر ہے، کھڑکی کے ذریعے کام نکالا گیا ہے... کوئی آواز پیدا کر کے سرفراز جتوئی کو کھڑکی تک آنے پر اکسایا گیا... وہ یہ دیکھنے کے لیے کھڑکی تک آئے کہ یہ کیسی آواز ہے... جونہی نزدیک آئے، قاتل نے ہاتھ اندر داخل کر دیا، اس کے ہاتھ میں لوہے کا ٹھوس راڈ تھا... بس اس نے وہ راڈ اس کے سر پر دے مارا..." فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں! بالکل یہی ہوا ہے... کیونکہ لاش کھڑکی کے نیچے ملی ہے... اب مشکل یہ ہے کہ کھڑکی کے باہر کی طرف گھنی گھاس ہے... لہٰذا قاتل کے کوئی آثار تلاش نہیں کیے جا سکتے۔ قاتل نے بہت چالاکی سے کام لیا ہے... ویسے اس کی چالاکی پہلے ہی ہم بھانپ چکے ہیں... پہلے تو یہ امکان تھا کہ شاید ظالم خود بتا دے کہ اس نے کیا ظلم کیا ہے اور ہم ظلم کی کہانی سن کر اندازہ لگا لیں گے کہ وہ کون شخص ہے؟... جو بدلا لینا چاہتا ہے، لیکن اس واردات کے بعد... گویا قاتل پہلے کی نسبت زیادہ محفوظ ہو گیا... ویسے کیا آپ لوگوں میں سے کوئی اس سلسلے میں ہماری مدد کر سکتا ہے... کیا کوئی شخص جانتا ہے... سرفراز

جنونی صاحب نے کسی کے ساتھ کوئی ظلم کیا تھا۔'' یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گئے۔

سب لوگ لگے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے، لیکن اس سوال کا جواب کوئی نہ دے سکا...

''اور اس کا مطلب ہے... صرف قاتل ہی اس بات کو جانتا ہے... اور وہ خود کو کیوں ظاہر کرنے لگا... خیر... یہاں کم از کم ایک صاحب ایسے ضرور ہیں... جن کے ذریعے ہمیں کچھ نہ کچھ معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔''

''اور وہ کون؟'' کئی آوازیں ابھریں۔

''اجمل ضیائی صاحب... آخر سرفراز جنونی ان کے دوست ہیں... یہ ان کے بارے میں نہیں بتائیں گے تو کون بتائے گا... ہاں تو اجمل ضیائی صاحب... اب آپ کو ہماری معلومات میں اضافہ کرنا ہوگا...''

''اس میں شک نہیں... میں سرفراز جنونی صاحب کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتا ہوں۔'' اجمل بولے۔

''بہت خوب! یہ ہوئی نا بات... لیکن اس سے پہلے ہم لاش کا بندوبست کریں گے... آپ کے علاقے میں پولیس اسٹیشن ہے؟''

''ہاں! اس علاقے میں پولیس اسٹیشن ہے... انچارج کا نام ہے انسپکٹر اعظم بیگ۔''

انہوں نے پولیس اسٹیشن فون کر دیا پھر اجمل ضیائی کی طرف مڑتے ہوئے بولے:

''اب آپ تفصیل سے سرفراز جنونی صاحب کے بارے میں بتائیں... یہ آپ کے دوست کیسے بنے۔ کن حالات میں بنے اور یہاں موجود دوستوں میں سے ان کی کس سے دوستی تھی۔''

''جو کچھ میرے علم میں ہے... بتائے دیتا ہوں۔''

اب وہ بنگلے کے لان میں آ بیٹھے۔ سب کے چہرے اُترے ہوئے تھے۔ ہر کوئی پریشان نظر آ رہا تھا... یہ سب لوگ آخر سیر تفریح کے لیے آئے تھے اور ہو گئی وہاں قتل کی واردات... اور قاتل بھی ان میں سے ایک تھا... اب ان سب کو تفتیش کے مرحلے سے گزرنا تھا، وہ پریشان نہ ہوتے تو کیا ہوتے۔ آخر اجمل ضیائی نے کہنا شروع کیا:

''سرفراز جنونی کا اصل نام سرفراز نواز تھا۔ اسکول کے زمانے میں ہماری دوستی شروع ہوئی۔ سرفراز کے مزاج میں بہت تیزی تھی۔ ہر کسی کو ہر معاملے میں پیچھے چھوڑ جانا اس کا جنون تھا۔ اسی بنیاد پر سب لڑکے اسے جنونی کہنے لگے تھے اور اسے اپنا یہ نام اس قدر پسند آیا کہ اس نے اس کو اپنے نام کا حصہ بنا لیا... پڑھائی میں بہت تیز تھا... اپنے سے آگے کسی کو نکلتا نہیں دیکھ سکتا تھا... ایسے میں ایک لڑکا کسی دوسرے اسکول سے ہمارے اسکول میں آ گیا... اسے داخلہ بھی ہماری کلاس میں ملا... اب مسئلہ یہ بنا کہ وہ تھا بھی بہت لائق... اس کے آنے کے بعد کلاس میں جب پہلے ٹسٹ ہوئے تو اس کے نمبر سب سے زیادہ تھے۔ اس چیز نے سرفراز جنونی پر سکتا طاری کر دیا... یہ چیز اس سے برداشت نہ ہو سکی... لیکن وہ کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا، سوائے اس کے کہ پڑھائی پر

اور زیادہ توجہ دیتا... سو اس نے خوب محنت کی... لیکن ہوا یہ کہ وہ اس نئے
لڑکے سے آگے پھر بھی نہ نکل سکا... وہ بلا کا ذہین تھا..."

"آپ نے اس کا نام نہیں بتایا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! اس کا نام تھا کاشف نیاز۔ کاشف اسے ہر بار، ہر میدان میں
شکست دینے لگا... سرفراز جتوئی کا چہرہ ہر بار اپنی ناکامیابی پر تاریک ہو
جاتا... اس بات کو سب لوگ محسوس کرتے تھے... پھر ایک دن کاشف نیاز
سکول نہ آیا... پتا چلا، اس کے گھر میں کوئی چور آ گیا تھا... اس چور نے کاشف پر
حملہ کیا تھا... اس حملے میں اس کے سر پر چوٹ آئی تھی... سب لڑکے اس سے
ملنے کے لیے گئے... لیکن وہ ہوش وحواس سے عاری ہو چکا تھا... یعنی دماغی
طور پر بالکل ختم... وہ تھا بھی غریب گھرانے کا لڑکا... سب کو بہت افسوس
ہوا... اس کا سکول سے جانا تھا کہ سرفراز جتوئی پھر سے ہر امتحان میں اوّل آنے
لگا... کبھی کبھی لڑکے آپس میں باتیں کیا کرتے تھے کہ کہیں وہ چور سرفراز جتوئی
تو نہیں تھا... لیکن اس بات کا کسی کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا... آہستہ آہستہ ہم
لوگ کاشف کو بھول گئے... یوں بھی وہ کرائے کے مکان میں رہتے تھے... پتا
چلا وہ اس مکان کو چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے ہیں۔ جاتے ہوئے وہ بتا کر بھی نہ
گئے کہ کہاں جا رہے ہیں۔ اس طرح ہم کاشف نیاز کے بارے میں کچھ نہ جان
سکے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا، اس کی دماغی حالت بعد میں ٹھیک ہو گئی تھی یا نہیں...
غرض اس کے بارے میں کچھ پتا نہ رہا... ادھر میری اور سرفراز کی دوستی اور پختہ
ہو گئی... یہاں تک کہ ہم تعلیم سے فارغ ہو گئے... سرفراز اپنے باپ کی دولت کا

مالک بن گیا اور میں اپنے باپ کی جاگیر کا مالک... اس طرح میں جب بھی
اپنے دوستوں کو یہاں بلاتا تھا... تو ان میں وہ بھی شامل ہوتا تھا... پہلے بھی
یہاں ایسا کوئی رقعہ نہیں ملا... حالانکہ یہ تمام دوست یہاں اکثر جمع ہوتے
ہیں... سرفراز جتوئی کے بارے میں تو بس میری معلومات اس حد تک ہیں۔"

یہاں تک کہ اجمل ضیائی خاموش ہو گئے۔

ایسے باہر پولیس کی گاڑی کا سائرن سنائی دیا:

☆☆☆

اتفاقات

’’لیجیے! انسپکٹر اعظم بیگ آگئے... یوں یہ آتے جاتے رہتے ہیں، ابھی اس روز بھی آئے تھے جس دن ہم سب یہاں جمع ہوئے تھے۔‘‘

سب اٹھ کر باہر آگئے... باہر پولیس کی جیپ موجود تھی... ایک آفیسر چار کانسٹیبلوں کے ساتھ کھڑا نظر آیا۔

’’آیئے انسپکٹر اعظم... ہم آپ ہی کا انتظار کر رہے تھے...‘‘

’’آپ نے بہت خوفناک خبر سنائی...‘‘ انسپکٹر اعظم نے پریشان آواز میں کہا۔

’’پہلے آپ ان سے ملیے... یہ انسپکٹر جمشید ہیں اور ان کے ساتھی اور بچے...‘‘

’’اوہو! یہ میں کیا سن رہا ہوں... یہ... یہ آپ ہیں۔‘‘

’’جی ہاں!‘‘ وہ مسکرائے۔

اس نے آگے بڑھ کر گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ پھر بولا:

’’پھر تو یہاں میرے کرنے کا کوئی کام نہیں رہا... البتہ ضابطے کی کارروائی کر لیتا ہوں۔‘‘

’’نہیں... آپ تفتیش بھی کریں... واردات کے وقت ہم لوگ بھی یہاں موجود تھے، کیا خبر مجرم ہم میں سے کوئی ہو۔‘‘

’’کیا بات کرتے ہیں۔‘‘ اس نے بوکھلا کر کہا۔

’’خیر... پہلے تو آپ کارروائی مکمل کریں... پھر ہم آپ کو تفصیل سنائیں گے۔‘‘

ایک گھنٹے بعد انسپکٹر اعظم بیگ ان کے پاس آتے ہوئے بولا:

’’لاش اٹھوالی گئی ہے... جلد پوسٹ مارٹم کی رپورٹ مل جائے گی... ساتھ ہی مقتول کے گھر والوں کو اطلاع دے دی گئی ہے... وہ سیدھے ہسپتال جائیں گے... اس کے بعد لاش ان کے حوالے کر دی جائے گی... میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں... ہو سکتا ہے... وہ لوگ سرفراز صاحب کے کسی دشمن کے بارے میں بتا سکیں۔‘‘

’’ہاں! یہ ٹھیک رہے گا... بلکہ ہم بھی ان سے ملاقات کرنا پسند کریں گے۔‘‘

’’یہ اچھا رہے گا۔‘‘ انسپکٹر اعظم نے خوش ہو کر کہا۔

اب انہوں نے انسپکٹر اعظم کو سرفراز جنونی کے بارے میں بتایا... وہ غور سے سنتا رہا... پھر اجمل ضیائی کے خاموش ہونے کے بعد اس نے کہا:

’’اس بات کا امکان تو ذرا کم ہی نظر آتا ہے کہ یہ کام بچپن کے اس

دوست کاشف نیاز کا ہو... کیونکہ ان حضرات میں اس نام کا کوئی دوست نہیں
ہے... ہوتا بھی تو اجمل ضیائی صاحب کو تو اس کا پتا ہوتا... اور یہ حملہ گھر میں
موجود افراد میں سے کسی کا کام لگتا ہے..."

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے اس کی تائید کی پھر
بولے:

"لیکن اس کا امکان بہر حال موجود ہے۔"

"خیر ہم اس امکان کے تحت بھی جائزہ لیں گے... اور میں چاہتا
ہوں... یہاں موجود افراد سے آپ تفتیش کر لیں۔"

"اور اگر مجرم ہم میں سے کوئی ہوا؟" محمود مسکرایا۔

"یہ بات آپ پہلے بھی کہہ چکے ہیں... ظاہر ہے... آپ ایسا مذاق
کی حد تک کہہ رہے ہیں۔"

"جی نہیں... ہمارا ایک اصول ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اصول... کیا مطلب؟"

"جب ہم کسی کیس پر تفتیش کرتے ہیں... تو ہر ایک پر شک کرتے
ہیں... مطلب یہ کہ اگر آپ ہم سے تفتیش کرانا چاہتے ہیں تو ہم تو آپ پر بھی
شک کریں گے۔" محمود مسکرایا۔

"آپ شوق سے شک کریں... میرا بھلا اس معاملے سے کیا
تعلق؟" یہ کہتے ہوئے وہ ہنسا۔

"ٹھیک ہے... ہم آپ کی پیش کش منظور کر لیتے ہیں اور تفتیش شروع

کر دیتے ہیں... اندازہ یہی ہے کہ سرفراز جتوئی کو قتل کرنے والا شخص، وہی
بچپن کا کاشف نیاز ہے... اجمل ضیائی صاحب... آپ اپنے تمام مہمانوں اور
ملازموں کے چہروں کو غور سے دیکھیے... خوب غور سے... کیا ان میں سے کوئی
کاشف نیاز ہو سکتا ہے... ظاہر ہے اتنی مدت گزر جانے کے بعد چہرے کے
نقوش تو وہ رہ نہیں گئے ہوں گے... اور نہ آپ کو کاشف نیاز ہی اتنی اچھی طرح
یاد ہو گا... لیکن پھر بھی آپ ذرا غور کرنے کی کوشش کریں۔"

"اچھی بات ہے۔"

"ایک منٹ!" ایسے میں فرزانہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

سب اس کی طرف دیکھنے لگے:

"میں... کہنا یہ چاہتی ہوں کہ اجمل ضیائی سب مہمانوں کو تو غور
سے دیکھ لیں گے... انہیں کون غور سے دیکھے گا... کیا خبر... کاشف نیاز یہی
ہوں۔"

"اوہ... اوہ۔" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"واقعی فرزانہ... بہت خوب نکتہ اٹھایا... اجمل ضیائی صاحب...
آپ اس بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں۔"

"میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں رہ گیا۔" انہوں نے بے چارگی
کے عالم میں کہا۔

"چلیے خیر... آپ کے چہرے کو ہم غور سے دیکھ لیں گے، باقی
لوگوں کے چہروں کو آپ غور سے دیکھیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''آپ کیسے دیکھ لیں گے... کیا آپ نے بچپن میں کاشف نیاز کو دیکھا تھا۔'' محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

''نہیں... اس کے باوجود میں ان کے چہرے کا جائزہ لے سکوں گا، تم فکر نہ کرو۔'' انہوں نے فوراً جواب دیا۔

''ٹھیک ہے... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

اب اجمل ضیائی نے باری باری تمام مہمانوں کے چہروں کا جائزہ شروع کیا... وہ ایک ایک چہرے پر کئی کئی منٹ صرف کرتے رہے... آخر ان کا یہ معائنہ ختم ہو گیا... اور وہ بولے:

''نہیں... ان میں سے کوئی بھی کاشف نیاز نہیں ہو سکتا... اس کے نقوش تو اور ہی طرح کے تھے...'' وہ بولے۔

''اچھی بات ہے... اب آپ دونوں ملازمین کو بھی دیکھ لیں۔''

''بھلا ملازمین کا کیا تعلق ہو سکتا ہے اس معاملے سے۔''

''یہ ضروری نہیں کہ قاتل کاشف نیاز ہی ہو... ہو سکتا ہے، یہ کوئی اور معاملہ ہو، آپ کے ملازم کے ساتھ کسی مہمان نے کوئی خاص ظلم کیا ہو اور اس ظلم کا بدلہ لینے کے لیے وہ صاحب... اس حد تک اتر آئے ہوں... آپ ان دونوں کا جائزہ بھی لے لیں... اگرچہ آپ انہیں روزانہ ہی دیکھتے رہتے ہیں... لیکن اس نظریے سے چہروں کو دیکھنا اور بات ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

''اچھی بات ہے...''

اب انہوں نے دونوں ملازمین کو وہیں بلا لیا۔ پہلے انہوں نے رانا کے چہرے پر نظریں جما دیں... پھر ہاشم کی باری آئی... دونوں حیران تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

''یہ... یہ آپ کیا کر رہے ہیں صاحب جی۔'' آخر رانا سے رہا نہ گیا، بول اٹھا۔

''ہم قاتل کا پتا چلانے کی کوشش کر رہے ہیں... اور اجمل ضیائی صاحب آپ کو بطور قاتل پہچاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''نن... نہیں... بھلا ہمارا اس معاملے سے کیا تعلق؟'' دونوں کانپ گئے۔

''تعلق ہی تو تلاش کر رہے ہیں... آپ بس سکون سے بیٹھے رہیں۔''

اجمل ضیائی نے دونوں کو غور سے دیکھا... ایک کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں اُلجھن سی نظر آئی... انہوں نے سر کو جھکا دیا اور نظریں پھر رانا پر جما دیں... پھر وہ قدرے حیران نظر آنے لگے... آخر انہوں نے کہا:

''یہ بات واقعی حیرت انگیز ہے... کہ رانا کے چہرے میں کاشف نیاز کی مشابہت ہے۔''

''کیا!!!'' ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''کاشف نیاز... کون کاشف نیاز۔'' رانا اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''ابھی بتاتے ہیں... آپ ذرا آرام سے بیٹھے رہیں۔'' انسپکٹر جمشید

سرد آواز میں بولے۔ پھر وہ اجمل ضیائی کی طرف مڑے۔

''آپ ذرا اور غور سے دیکھیں...''

''اچھی بات ہے...''

اجمل ضیائی نے ایک بار پھر نظریں رانا پر جمادیں... جلد ہی انہوں نے سر ہلا دیا:

''ہاں! یہ ٹھیک ہے... رانا کی شکل صورت کاشف نیاز سے ملتی جلتی ہے... اب یہ بات میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کاشف نیاز ہے... شکل صورت تو ویسے بھی ملتی جلتی ہو سکتی ہے۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں... مہربانی فرما کر اب آپ دوسرے ملازم ہاشم کے چہرے کو بھی پھر سے دیکھ لیں۔''

''اس کی کیا ضرورت ہے؟''

''یہ دونوں بھائی ہیں نا... ہو سکتا ہو... آپ کو کاشف نیاز کی زیادہ مشابہت ہاشم صاحب میں نظر آئے۔''

''نن... نہیں۔'' مارے حیرت کے ہاشم کے منہ سے نکلا۔

اب اجمل ضیائی نے ہاشم کے چہرے پر نظریں جمادیں... ان کی آنکھوں میں الجھن بھی نظر آئی اور حیرت بھی... لیکن آخر انہوں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

''نہیں... زیادہ مشابہت رانا ہی کے چہرے میں ہے۔''

''اچھی بات ہے... اب میں رانا صاحب سے پوچھتا ہوں...

آپ یہاں تک کیسے پہنچے...''

''کئی سال پہلے صاحب جی نے اخبار میں دو عدد ملازموں کی ضرورت کا اشتہار دیا تھا... ہم دونوں بھائی ان دنوں بے کار تھے اور ملازمت کی تلاش میں بھٹک رہے تھے... اشتہار پڑھ کر ادھر آگئے اور انہوں نے ہمیں ملازم رکھ لیا۔''

''ٹھیک... آپ دونوں کہاں کے رہنے والے ہیں۔''

''آپ بلاوجہ ہم پر شک کر رہے ہیں، اس ہولناک واردات سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔''

''آپ اپنے شہر یا گاؤں کا پتا بتائیں۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''جی ہاں ہم لوگ ہارون آباد کے رہنے والے ہیں۔''

''کیا!!!'' اجمل ضیائی چلائے۔

اب تو وہاں سنسنی کی لہر دوڑ گئی... ہر کوئی ان دونوں کو گھورنے لگا۔

''اس کا مطلب ہے... اجمل ضیائی صاحب! آپ ہارون آباد کے رہنے والے ہیں۔''

''ہاں! وہ ہارون آباد ہی کا ایک سکول تھا۔''

''جب یہ واقعہ ہوا تھا... اس وقت آپ لوگ کاشف نیاز کو دیکھنے کے لیے ان کے گھر بھی تو گئے تھے... یعنی جب سرفراز جتوئی نے اس پر وار کیا تھا اور اس کے سر پر چوٹ آئی تھی۔''

''ہاں! ہم تو وہاں کئی بار گئے تھے۔''

"ہاشم صاحب اور رانا صاحب... آپ کا گھر ہارون آباد میں کہاں ہے۔"

"غازی پور میں۔"

"نن... نہیں۔" جمل ضیائی اس بار بہت زور سے اچھلے... ان کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔

"ارے باپ رے... تو کیا... یہ وہی کاشف نیاز ہے۔" عارف تیمور کے لہجے میں کپکپی تھی۔

"اب اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے... کاشف نیاز وہیں رہا کرتا تھا۔"

"اور اس کا بھائی... کیا ان دنوں آپ لوگوں نے وہاں اس کا بھائی نہیں دیکھا تھا۔"

"ہم تو دراصل کاشف سے ملنے کے لیے جاتے تھے... اتنی باتیں اب کیسے یاد ہو سکتی ہیں۔"

"ہوں! اب آپ دونوں کیا کہتے ہیں، آپ کی شکل صورت کاشف نیاز سے ملتی ہے... آپ رہتے بھی اس محلے میں ہیں جہاں کاشف نیاز کا گھر تھا... اور آپ اتفاق سے ملازمت بھی وہاں کرتے ہیں... جہاں سرفراز جونی کا آنا جانا تھا... یہ سب باتیں صرف اتفاقیہ نہیں ہو سکتیں... لہٰذا آپ دونوں اپنے جرم کا اعتراف کر لیں۔" انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے۔

"جی نہیں... ہم ہارون آباد کے رہنے والے ہیں... اس میں شک

نہیں... لیکن اس معاملے سے ہمارا کوئی تعلق نہیں... اجمل ضیائی صاحب کو اگر ہارون آباد کا وہ گھر یاد ہے... تو یہ ہمارے ساتھ چلیں... ہم انہیں اپنا گھر دکھا دیتے ہیں، وہاں اب بھی ہمارے ماں باپ رہتے ہیں۔"

"شاید ہمیں وہاں جانا پڑے گا..." انسپکٹر جمشید بڑبڑائے... پھر انہوں نے چونک کر کہا۔

"اجمل صاحب! باقی سب کے چہرے آپ دیکھ چکے... رہ گئے انسپکٹر اعظم بیگ... مہربانی فرما کر انہیں بھی دیکھ لیں۔"

"لیکن ان کا بھلا اس معاملے سے کیا تعلق؟"

"تعلق ہو بھی سکتا ہے... اگر آپ کے ملازم ہارون آباد کے ثابت ہو سکتے ہیں تو یہ بھی ہارون آباد کے ہو سکتے ہیں۔"

"آپ پریشان نہ ہوں... یہ واقعی حیرت انگیز اتفاق ہے۔" انسپکٹر اعظم بیگ مسکرایا۔

"جی... کیا مطلب... کون سا اتفاق حیرت انگیز ہے۔"

"یہ کہ میں بھی ہارون آباد کا رہنے والا ہوں۔"

"کیا!!!" وہ سب چلائے۔

☆☆☆

آلۂ قتل

چند لمحے تک سب لوگ سکتے کی حالت میں بیٹھے رہے۔ صورت حال حیرت انگیز تھی... اجمل ضیائی کا بچپن ہارون آباد میں گزرا تھا، وہیں کا سرفراز جتوئی تھا... اجمل ضیائی کے گھر میں جو ملازم کام کر رہے تھے، وہ بھی ہارون آباد کے تھے بلکہ اس محلے کے بھی جس میں کاشف نیاز کا گھر تھا... اور اب انسپکٹر اعظم بیگ بھی ہارون آباد کے ثابت ہو رہے تھے... وہ حیران نہ ہوتے تو کیا کرتے... ایسے میں انسپکٹر جمشید نے سرسراتی آواز میں کہا:

''اور کیا آپ کا گھر بھی غازی آباد میں تھا۔''

''ہاں! یہ بات بھی ٹھیک ہے۔''

''کیا!!!'' وہ ایک بار پھر اچھل پڑے... دوسرا زبردست جھٹکا ان سب کو لگا۔

''ہاں! یہی بات ہے... لیکن اس قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں... اس لیے کہ جس وقت قتل ہوا... میں پولیس اسٹیشن میں موجود تھا... اور رات کے

وقت میری ڈیوٹی تھی... میرے ماتحت بھی وہاں میرے ساتھ موجود تھے۔ وہ سب اس بات کے گواہ ہیں کہ میں وہاں موجود رہا ہوں... اور پولیس اسٹیشن کا فاصلہ اس جگہ سے اتنا کم نہیں کہ کوئی ایک دو منٹ میں وہاں سے یہاں آجائے اور اپنا کام کر کے چپ چپاتے واپس چلا جائے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو سکے۔''

''اچھی بات ہے... اب ہم ایک بات یقین سے کہہ سکتے ہیں۔''

''اللہ کا شکر ہے... اس کیس میں کوئی بات تو یقین سے کہنے کے قابل ہوئی۔'' فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

''اور وہ کیا؟'' اجمل ضیائی بولے۔

''اور وہ یہ کہ قتل ہوا ہے اسی سلسلے میں... یعنی کاشف نیاز ہی نے کیا ہے... اب سوال یہ ہے کہ اس زمانے کا کاشف نیاز اس وقت کس روپ میں ہے... ہاشم کے روپ میں... رانا کے روپ میں، انسپکٹر اعظم بیگ کے روپ میں یا پھر...؟'' وہ کہتے کہتے رک گئے۔

''یا پھر کیا...'' کئی آوازیں ابھریں۔

''یا پھر خود اجمل ضیائی صاحب کے روپ میں۔'' وہ تیز آواز میں بولے۔

''ارے باپ رے... آپ نے تو مجھے بھی لپیٹ لیا۔''

''ہم ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔'' فاروق نے فوراً کہا۔

''کک... کیسا کرنے پر؟'' وہ بولے۔

"آپ کو لپیٹ لینے پر... اگرچہ ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" محمود نے شوخ آواز منہ سے نکالی۔

"بھلا مجھے آپ اس معاملے میں کس طرح لپیٹ سکتے ہیں۔"

"اس طرح کہ یہ کہانی ہمیں آپ نے سنائی ہے... ہو سکتا ہے، اس قسم کا کوئی واقعہ آپ کے بچپن میں ہوا ہو، لیکن آپ کسی وجہ سے سرفراز جتوئی کو ٹھکانے لگانا چاہتے ہوں... سو آپ نے اس کہانی کی آڑ... لے کر انہیں ختم کر دیا... اور یہ کہانی سنا دی... تاکہ سب کاشف نیاز کے چکر میں پڑے رہیں اور آپ کی طرف کسی کا خیال تک نہ جائے... لیکن یہاں مشکل ایک اور پیدا ہو گئی۔"

"ان مشکلات میں بس یہی بری بات ہے کہ جب دیکھو پیدا ہو جاتی ہیں، بے کوئی تک۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"تمہارا اشارہ کس مشکل کی طرف ہے جمشید۔"

"مشکل یہ پیدا ہو گئی کہ اتفاق سے ہم یہاں آ گئے... اور ہم انشاء اللہ مجرم تک پہنچ کر دکھائیں گے... چاہے اس کے لیے ہمیں ہارون آباد کیوں نہ جانا پڑے... اور شاید ہمیں وہاں جانا ہی ہوگا... اجمل ضیائی صاحب ہمیں کاشف نیاز کے اس گھر تک لے کر جائیں گے... جہاں وہ رہتا تھا..."

"زمانہ بہت گزر گیا... کیا اب تک وہاں کے نقشے نہیں بدل گئے ہوں گے۔"

"ہاں! ضرور بدل گئے ہوں گے... لیکن پھر بھی معلومات حاصل ہو

جاتی ہیں... ویسے یہ ضروری نہیں کہ ہمیں جانا ہی پڑے... اگر ہم یہیں رہتے ہوئے قاتل کا سراغ لگا لیتے ہیں تو پھر کیا کریں گے جا کر... لہٰذا اب ہم باقاعدہ تفتیش شروع کرتے ہیں... سب سے پہلے ہم پولیس اسٹیشن جائیں گے۔"

"پولیس اسٹیشن... بھلا وہاں جا کر آپ کیا کریں گے... میں تو یہاں موجود ہوں۔" انسپکٹر اعظم بیگ نے حیران ہو کر کہا، اس کے چہرے پر شدید الجھن بھی نظر آئی۔

"آیئے چلیں... محمود، فاروق اور فرزانہ تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گے یا یہیں ٹھہرو گے۔"

"ساتھ جائیں گے۔"

"اور خان رحمان اور پروفیسر صاحب آپ؟"

"ہم بھی ساتھ جائیں گے۔"

"چلیے انسپکٹر صاحب۔"

"چلیے... پتا نہیں، آپ وہاں کیا دیکھنا چاہتے ہیں۔" انسپکٹر نے کہا۔

"ہمارا تفتیش کا اپنا طریقہ ہے... آپ اسے خاص طریقہ بھی کہہ سکتے ہیں... ہم اس کے مطابق اپنا کام کرتے ہیں... لہٰذا چلیے۔"

وہ وہاں سے روانہ ہوئے... انسپکٹر جمشید نے وقت نوٹ کر لیا... ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ پولیس اسٹیشن میں داخل ہو رہے تھے۔ کانسٹیبلوں نے انسپکٹر اعظم کو سلوٹ کیا۔ انہوں نے تھانے کا معائنہ کیا... ادھر ادھر ہر جگہ کو دیکھا... دروازے کے بالکل سامنے آخر میں انسپکٹر اعظم کا کمرہ تھا... وہ اس

کمرے میں داخل ہوئے... کمرے کی پچھلی طرف ایک کھڑکی تھی... اس میں سلاخیں نہیں تھیں... اس کے دوسری طرف ایک چھوٹا سا گھر تھا...

''یہ گھر کس کا ہے۔''

''میں یہاں اپنی بیوی کے ساتھ رہتا ہوں۔''

''گویا آپ اس کھڑکی کے ذریعے بھی اپنے گھر میں آجا سکتے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''جی ہاں! لیکن بھلا مجھے ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے جب کہ باہر دروازے کی طرف سے جا سکتا ہوں۔''

''تو آپ رات یہاں اپنے کمرے میں موجود تھے۔''

''جی ہاں بالکل''

''آپ کے کانسٹیبل اس بات کے گواہ ہیں۔''

''بالکل گواہ ہیں۔''

''اور آپ اپنے کمرے سے کہیں نہیں گئے ... تمام وقت یہیں رہے۔''

''یہ بات نہیں... میں گھومنے پھرنے کے لیے کئی بار باہر نکلا ہوں... ہم نے چائے بھی پی ہے تاہم زیادہ وقت میں اپنے کمرے میں رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے... آپ باہر چلے جائیں اور ایک ایک کانسٹیبل کو باری باری اندر بھیجتے رہیں۔'' انہوں نے کہا اور کرسی پر بیٹھ گئے... ان کے ساتھی بھی بیٹھ گئے۔ انسپکٹر اعظم بڑے بڑے منہ بناتا ہوا باہر نکل گیا۔ جلد ہی ایک کانسٹیبل

اندر داخل ہوا۔ اس نے ایک تیز اور ناخوش گوار نظر ان پر ڈالی۔ انسپکٹر جمشید نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''آج رات انسپکٹر صاحب اپنے کمرے میں موجود رہے ہیں۔''

''جی ہاں بالکل۔''

''کیا وہ اس دوران کچھ دیر کے لیے کہیں گئے۔''

''جی نہیں ... تمام وقت اپنے کمرے میں بیٹھے رہے، بس ایک دو مرتبہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکلے... چند منٹ ٹہلے اور پھر کمرے میں بیٹھ گئے۔''

''فرض کیا... وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے نکل کر اپنے گھر میں داخل ہوئے ہوں اور وہاں سے نکل کر کچھ دیر کے لیے کہیں گئے ہوں... تو آپ لوگوں کو تو پتا نہیں چلا ہوگا نا۔''

''اس بارے میں ہم کیا کہ سکتے ہیں بھلا۔'' کانسٹیبل نے حیران ہو کر کہا۔

''شکریہ آپ جا سکتے ہیں، اپنے دوسرے ساتھی کو بھیج دیں۔''

وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گیا... اس طرح دوسرے سے سوالات کیے گئے... کوئی اس بات کا جواب نہ دے سکا کہ کچھ دیر کے لیے انسپکٹر صاحب پچھلی کھڑکی سے نکل کر کہیں گئے ہوں تو انہیں کیسے پتا چل سکتا تھا... اس کا مطلب یہ تھا کہ انسپکٹر صاحب کچھ دیر کے لیے غائب ہو سکتے تھے... جب کہ کانسٹیبل یہی گمان کرتے رہتے کہ وہ اندر بیٹھے ہیں... درمیانی فاصلہ بھی صرف پندرہ منٹ کا تھا... لیکن اس صورت میں سوال یہ تھا کہ انسپکٹر نے پندرہ منٹ کا

فاصلہ کیسے طے کیا... جیپ تو پولیس اسٹیشن کے احاطے میں کھڑی تھی... تو کیا
اس نے پیدل دوڑ لگائی یا پھر کسی اور ذریعے سے وہ بنگلے تک پہنچا تھا... وہاں
داخل ہوتے ہی وہ سرفراز جتوئی کی کھڑکی کی طرف گیا... خفیہ انداز میں آواز
پیدا کی... سرفراز جتوئی چونک اٹھے اور کھڑکی تک آگئے... بس عین اس لمحے
اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا لوہے کا راڈ ان کے سر پر دے مارا... اور واپس دوڑ
لگادی۔

جب سب کانسٹیبلوں سے سوالات کر لیے گئے، تب انہوں نے انسپکٹر
اعظم بیگ بات کی:

''آپ کے پاس ذاتی استعمال کے لیے کوئی سواری ہے۔''

''جی نہیں... سرکاری جیپ کے ہوتے ہوئے ذاتی سواری رکھنے کی
ضرورت بھی کیا ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا... غالباً وہ اس سوال کی نوعیت کو سمجھ
گیا تھا...

''اچھی بات ہے... ہم بنگلے کی طرف جاتے ہیں... اب باقی لوگوں
سے سوالات کریں گے... ارے ہاں کیا آپ نے آلۂ قتل کی تلاش کے سلسلے میں
کچھ کیا۔''

''جی... جی نہیں... دراصل میں نے تو سارا معاملہ آپ پر چھوڑ دیا
ہے۔''

''ہوں خیر... ہم تلاش کر لیں گے۔''

یہ کہہ کر وہ وہاں سے نکل آئے... پولیس اسٹیشن تک وہ خان رحمان کی

گاڑی میں آئے تھے... اب اس گاڑی میں وہاں سے روانہ ہوئے، جونہی
پولیس اسٹیشن ان کی نظروں سے اوجھل ہوا، انسپکٹر جمشید نے جیپ روک لی:

''کیا ہوا جمشید۔'' خان رحمان چونکے۔

''کچھ نہیں... میں ذرا ان کا مقابلہ دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''کن کا۔''

''محمود، فاروق اور فرزانہ کا... دوڑ کا مقابلہ... چلو تم تینوں نیچے
اترو اور جس قدر تیز دوڑ سکتے ہو، دوڑ کر بنگلے تک پہنچو... دیکھنا یہ ہے کہ تم کتنی
دیر میں وہاں پہنچتے ہو اور سب سے پہلے کون پہنچتا ہے۔''

''جی اچھا!'' تینوں نے ایک ساتھ کہا... پھر گاڑی سے اترتے ہی
بنگلے کی طرف دوڑ پڑے۔ انسپکٹر جمشید نے گاڑی آگے بڑھا دی... جلد ہی وہ
تینوں سے آگے نکل گئے... وہ پوری رفتار سے دوڑ رہے تھے اور تینوں قریب
قریب ہی تھے... بس کبھی کوئی چند قدم آگے نکل جاتا، کبھی دوسرا۔ انسپکٹر جمشید
بنگلے کے سامنے پہنچ کر رک گئے... ان کے صرف پانچ منٹ بعد وہ تینوں قریباً
ساتھ ساتھ وہاں پہنچ گئے۔

''مطلب یہ کہ تم نے یہ فاصلہ بیس منٹ میں طے کر لیا ہے... میں نے
گاڑی پہلے بھی درمیانی رفتار سے چلائی تھی اور اب بھی... سڑک ناہموار
ہے، اس لیے گاڑی تیز چلائی ہی نہیں جا سکتی... اس لیے تم بھی دوڑ کر بیس منٹ
میں پہنچ گئے... اب اس کا مطلب ہے... انسپکٹر اعظم کے لیے بھی یہ کام مشکل
نہیں تھا... اتنی دیر تک دوڑنا پولیس کے ملازم کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں

ہوتا... انسپکٹر صاحب خاموشی سے اپنے کمرے سے نکلے اور گھر کے راستے ہوتے ہوئے بنگلے کی طرف دوڑ پڑے... رات کا وقت تھا... انہیں کوئی دیکھ بھی نہیں سکتا تھا... ویسے بھی علاقہ یونہی غیر آباد ہے... بنگلے میں بھی سب سوئے پڑے تھے... انہوں نے اپنا کام کیا اور پھر پولیس اسٹیشن کی طرف دوڑ لگا دی۔ کھڑکی کے راستے اپنے کمرے میں آئے اور دفتر میں جا بیٹھے... پھر سانس درست کر کے ٹہلنے کے انداز میں کمرے سے نکلے بھی ہوں گے... تاکہ ان کے ماتحت یہی خیال کریں کہ وہ بدستور اپنے دفتر میں موجود رہے ہیں... اب اگر باغ میں سے آلۂ قتل بھی مل جاتا ہے تو ہمارا کام آسان ہو جائے گا... لہٰذا چلو پہلے آلۂ قتل تلاش کریں..."

"لیکن ابا جان! اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ انہوں نے وہ وزنی چیز راستے میں کہیں ادھر ادھر اچھال دی ہو۔"

"راستے کا جائزہ بھی لے لیں گے۔ پہلے باغ میں دیکھ لیں... پھر یہاں سے روانہ ہو کر پولیس اسٹیشن تک دونوں طرف کا جائزہ لیں گے... انشاء اللہ آلۂ قتل مل جائے گا۔"

"ان شاء اللہ!"

اب انہوں نے تلاش شروع کر دی... اس کام میں انہیں کئی گھنٹے لگ گئے، لیکن آلۂ قتل نہ ملا... آخر فاروق نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم غلط رخ سے سوچ رہے ہوں... اس واردات سے انسپکٹر اعظم بیگ کا کوئی تعلق ہو ہی نہ۔"

"ہاں! واقعی... اچھا اب بنگلے کے ہر کمرے کی تلاشی لیتے ہیں..."

یہ بات انہوں نے اجمل ضیائی کے سامنے رکھی... انہوں نے مہمانوں کو صحن میں جمع کر کے انسپکٹر جمشید کی بات ان کے سامنے بیان کی:

"ہمارے دوست انسپکٹر جمشید تمام کمروں کی اور کمروں میں موجود سامان کی تلاشی لینا چاہتے ہیں تاکہ آلۂ قتل تلاش کیا جا سکے... آپ لوگوں کو کوئی اعتراض تو نہیں۔"

سب نے پہلے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر ایک ساتھ بول اٹھے:

"کوئی اعتراض نہیں۔"

ان سب کے کمروں کی اچھی طرح تلاشی لی گئی... لیکن آلہ نہ ملا۔

"حیرت ہے... آخر آلۂ قتل کہاں چھپایا گیا... ارے۔" فرزانہ کہتے کہتے اچھل پڑی اور پھر اس نے دوڑ لگا دی۔

☆☆☆

ہاون دستے کا دستہ

''ارے ارے... کہاں چل دیں۔'' فاروق نے ہانک لگائی۔

فرزانہ نے جیسے سنا ہی نہیں... بس دوڑ لگا دی... اب تو وہ دونوں بھی اس کے پیچھے دوڑ لگائے بغیر نہ رہ سکے... یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید اور پروفیسر داؤد مسکرا دیے۔

جلد ہی تینوں دوڑتے ہوئے واپس آئے۔ ان کے منہ سے نکلا:

''آلہ مل گیا ہے۔''

''کک... کہاں ہے وہ؟''

''جی... جھیل کی تہ میں۔''

''اوہ... حد ہوگئی... وہاں دیکھنے کا خیال ہی نہیں آیا اور کئی گھنٹے ادھر ادھر ضائع کر دیے اور پانی کی تہ میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر انگلیوں کے نشانات تو رہ نہیں گئے... پھر بھی اس کو نکالنا تو ہوگا... کیا چیز ہے وہ؟''

''ہاون دستے کا دستہ۔''

''چلو محمود... نکال کر لے آؤ۔''

وہ ایک بار پھر جھیل کے کنارے پہنچے... محمود نے غوطہ لگایا اور دستہ نکال لایا... وہ لاکر انہوں نے سب کے سامنے رکھ دیا۔

''یہ ہے وہ آلہ جس سے قتل کیا گیا... قاتل نے وار کرنے کے بعد اسے جھیل کی طرف اچھال دیا... بلکہ نہیں، اچھالنے سے تو چھپاکے کی آواز پیدا ہوتی... لہٰذا وہ کھڑکی سے دوڑ کر جھیل کے کنارے پہنچا اور یہ آلہ پانی میں چھوڑ دیا... اجمل ضیائی صاحب... کیا آپ کے بنگلے میں ہاون دستہ موجود ہے۔''

''یہ بات ملازمین کو معلوم ہوگی۔''

''تو انہیں بلائیں۔''

انہوں نے گھنٹی بجادی... جلد ہی دونوں آدھمکے...

''باورچی خانے میں ہاون دستہ موجود ہے؟'' انسپکٹر جمشید سرسری لہجے میں بولے۔

''جی ہاں موجود ہے... کیوں؟''

''ذرا وہ اٹھا کر لے آئیں۔''

دونوں نے حیران ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر باہر نکل گئے... جلد ہی وہ لوٹے۔ ایک کے ہاتھ میں صرف ہاون تھا... دستہ ساتھ نہیں تھا۔

''صرف یہ ملا ہے، دستہ غائب ہے۔''

"کیا مطلب... اور کیا یہی ہے اس کا دستہ۔" انہوں نے جھیل سے
ملنے والے دستے کی طرف ان کی توجہ دلائی۔

"جی ہاں!"

"اُف مالک! یہ کیا چکر ہے... اگر قتل اس دستے سے کیا گیا ہے تو پھر
تو یہ کام انسپکٹر اعظم کا نہیں ہوسکتا... کیونکہ یہ دستہ تو باورچی خانے میں تھا...
اب ظاہر ہے، رات کے وقت انسپکٹر اعظم باورچی خانے میں کیسے آسکتا تھا...
جب کہ دستہ رانا اور ہاشم کے علم میں تھا۔

"نن... نہیں... ہمارا اس قتل سے کوئی تعلق نہیں... ہمیں نہیں
معلوم... باورچی خانے سے یہ دستہ کس نے اٹھایا... گھر میں موجود تمام لوگوں
میں سے کوئی بھی یہ کام کرسکتا تھا... باورچی خانے تک جانا کسی کے لیے بھی
مشکل نہیں... پھر آپ صرف ہم پر ہی کیوں شک کر رہے ہیں۔" رانا نے جلے
کٹے انداز میں کہا۔

"رانا صاحب کا اعتراض وزنی ہے... لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے
کہ صرف ان پر ہی شک کر رہے ہیں... جی نہیں... شک تو ہم سب پر کر رہے
ہیں... بلکہ سب پر برابر کا شک کر رہے ہیں... اجمل ضیائی صاحب... اس
وقت تک ہم نے آپ کے بارے میں کوئی رائے ظاہر نہیں کی... اب ہم آپ کا
رخ کرتے ہیں... جتنا آسان یہ کام آپ کے لیے تھا... دوسروں کے لیے اتنا
آسان نہیں تھا، اس لیے کہ آپ اس بنگلے کے مالک ہیں... کسی وقت بھی کہیں
بھی آجا سکتے ہیں۔"

"لیکن سوال تو یہ ہے کہ کیوں... میں یہ کام کیوں کرنے لگا بھلا...
سرفراز جتوئی تو میرے دوست تھے... میری تو ان سے کوئی دشمنی نہیں تھی...
آخر میں یہ کام کیوں کرتا... آپ کو یہ بھی تو بتانا ہوگا۔"

"ہاں کیوں نہیں... اگر ہمارے نزدیک اس کیس کے مجرم آپ ہیں
تو ہم وجہ بھی بتائیں گے... آپ فکر نہ کریں۔"

"آپ ایک بات بھول رہے ہیں۔" اجمل ضیائی نے طنزیہ لہجے میں
کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ سرخ کار میں لٹکایا گیا پھندہ جب غائب کیا گیا... اس وقت
میں آپ لوگوں کے ساتھ موجود تھا۔"

"اس وقت تو سبھی مہمان ہمارے ساتھ تھے... لیکن آپ کے
دونوں ملازم یہاں نہیں تھے... گویا یہ کام ان میں سے ایک کا بھی ہوسکتا ہے
اور ہوسکتا ہے، وہ دونوں آپ کے اشاروں پر ناچ رہے ہوں..."

"توبہ توبہ! مجھے امید نہیں تھی کہ آپ یہ الزام عاید کریں گے۔" اجمل
ضیائی نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اس میں ہمارا قصور نہیں... حالات ہی ایسے ہیں... اور ابھی تو ہم
نے آپ کے باقی مہمانوں سے تفتیش کی ہی نہیں... اب ان کی باری ہے...
سب سے پہلے ہم آپ کے مہمان قاسم گبور کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں...
مہربانی فرما کر ان کے بارے میں ہمیں بتائیں... یہ خود بتانا پسند کرتے ہیں تو

بھی ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"

"ٹھیک ہے... میں خود ہی بتائے دیتا ہوں... میرا نام قاسم گبور ہے... میں بھی اتفاق سے اجمل ضیائی صاحب کا بچپن کا دوست ہوں۔"

"اوہو۔" ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"اور آپ کو یہ سن کر اور زیادہ حیرت ہوگی کہ میں بھی اسی سکول میں پڑھتا تھا جس میں اجمل ضیائی صاحب، ان کے دوست سرفراز جتونی صاحب اور کاشف نیاز صاحب پڑھتے تھے۔"

"کیا!!!" وہ چلا اٹھے۔

"اس کا مطلب ہے... سرفراز جتونی اور کاشف نیاز والے واقعے کے آپ بھی گواہ ہیں۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! میں اس واقعے کا گواہ ہوں۔"

"بلکہ میں بھی اس واقعے کا گواہ ہوں۔" ایک اور مہمان شعبان سلیم بول اٹھے۔

"اوہ... اوہ۔" بہت سی آوازیں ابھریں۔

"اس کا تو پھر صاف مطلب یہ ہے کہ یہ واقعہ تو ہوا تھا... اجمل ضیائی صاحب کا بیان بالکل درست ہے... سرفراز جتونی نے واقعی کاشف نیاز پر وار کیا تھا اور اس کے بعد کاشف نیاز غائب ہوگیا... سرفراز جتونی کے کسی اور واقعے کا ہمیں علم نہیں، اس کا مطلب ہے کہ زیادہ امکان اسی واقعے کا ہے... اجمل ضیائی صاحب... کیا آپ کے یہ مہمان بھی ہارون آباد غازی روڈ کے

رہنے والے تو نہیں ہیں۔"

"جی نہیں... جہاں تک مجھے یاد ہے... یہ اسکول کے پاس ہی رہتے تھے..."

"کیوں صاحب! آپ بھی اس واقعے کے گواہ ہیں۔"

"جی ہاں بالکل۔" وہ بولے۔

"اور آپ کو بھی یہ موقع حاصل تھا کہ آپ سرفراز جتونی کو قتل کر سکتے۔"

"لیکن میں کاشف نیاز نہیں ہوسکتا، کیونکہ ابھی اجمل ضیائی صاحب نے میرے بارے میں بتایا ہے کہ میں سکول کے پاس رہتا تھا، لہٰذا کم از کم میں کاشف نیاز نہیں ہوسکتا۔"

"اوہ ہاں... لیجیے صاحبان... ہم انہیں اپنی فہرست سے الگ کر رہے ہیں... یہ قاتل نہیں ہوسکتے۔" انسپکٹر جمشید نے گویا اعلان کیا۔

"لیکن ابا جان! آپ یہ اعلان کیسے کرسکتے ہیں۔" محمود نے اعتراض کیا۔

"کیوں بھئی... میں کیوں اعلان نہیں کرسکتا۔"

"ابھی تک یہ بات طے نہیں ہوئی کہ یہ قتل ضرور اس واقعے کی وجہ سے ہوا ہے... یہ تو ایک خیال ہے... ایک فرض کی گئی بات ہے، جب کہ اس قتل کی وجہ کوئی اور ہوسکتی ہے... اور اگر وجہ کوئی اور ہے... تب قاتل بھی کاشف نیاز کے علاوہ کوئی اور ہوسکتا ہے... ان حالات میں آپ ان صاحب کو فہرست

سے خارج نہیں کر سکتے۔''

''بالکل ٹھیک محمود... تم نے بہت پتے کی بات کہی... تمہارا شکریہ... اور جناب میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں... آپ بھی مجرم ہو سکتے ہیں...''

''ارے باپ رے۔'' انہوں بوکھلا کر کہا۔

''اس طرح تو گویا ہم اس فہرست سے کسی کو بھی خارج نہیں کر سکتے۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''ہاں بالکل! جب کہ ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم جلد از جلد سب لوگوں کے ناموں کی فہرست سے کئی نام خارج کر دیں... بلکہ سوائے ایک کے سب نام خارج کر دیں... تا کہ اعلان کر سکیں کہ یہ صاحب مجرم ہیں... اور اس کیس میں ہم نے تفتیش کے گھوڑے تو ہر طرف دوڑائے ہیں... مجرم کا سرا ابھی تک ہاتھ نہیں آیا... ہمیں ضرورت ہے اس سرے کی۔''

''اللہ اپنا رحم فرمائے... ہمیں بھی کس کس چیز کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔'' فاروق نے گھبرا کر کہا۔

''تم پریشان نہ ہو... بلکہ میں سب سے کہتا ہوں... سوائے ایک کے کوئی پریشان نہ ہو، میں آج شام چائے پر مجرم کا نام بتا دوں گا...... انشاء اللہ!''

''اس... اس کا مطلب ہے... آپ جان چکے ہیں... محمود جلدی سے بولا۔

''ابھی مجھ سے یہ نہ پوچھو... تمام حالات تمہارے سامنے ہیں... ان پر غور کرو اور اندازہ لگاؤ مجرم کون ہے؟''

''اندازے لگانے میں ہم نہیں... آپ ماہر ہیں۔'' فاروق گھبرا گیا۔

''اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اندازے نہیں لگا سکتے۔ چلو الگ کمرے میں جا کر بیٹھ جاؤ اور شروع کرو اندازوں پر اندازے لگانا... آج شام تک تمہیں بھی یہ فیصلہ کرنا ہے کہ مجرم کون ہے... خان رحمان اور پروفیسر صاحب... آپ بھی اندازہ لگائیں۔''

''ہمیں تو تم معاف ہی رکھو جمشید... ہم سراغرساں نہیں ہیں۔'' پروفیسر داؤد نے گھبرا کر کہا۔

''ہیں یا نہیں... اس سے بحث نہیں... اندازہ تو لگانا ہوگا اور بتانا ہوگا مجرم کون ہے... بلکہ آپ پانچوں اپنے اپنے اندازے کے مطابق مجرم کا نام ایک کاغذ پر لکھ کر رکھ لیں... شام کو سب اپنے اپنے کاغذ پیش کریں... میں بھی اپنا کاغذ پیش کروں گا۔''

''تو کیا آپ باقی مہمانوں سے پوچھ گچھ نہیں کریں گے؟'' محمود نے حیران ہو کر کہا۔

''کیوں نہیں... تفتیش تو ابھی جاری ہے... سب سے فارغ ہونے کے بعد ہی ہم نتیجہ نکالیں گے... اجمل ضیائی صاحب! میں آپ سے ایک سوال علیحدگی میں کرنا چاہتا ہوں... یعنی مہمانوں سے الگ۔''

"آیئے ہم اس طرف چلتے ہیں۔"

وہ پانچوں انہیں کافی دور لے آئے۔ اب انسپکٹر جمشید نے ان سے پوچھا:

"کاشف نیاز کی کوئی خاص عادت بتائیں... یا کوئی خاص حرکت... جو اس سے لازمی سرزد ہوتی ہو۔"

"اوہ!" ان کی بات سن کر وہ چونکے اور سوچ میں ڈوب گئے۔ آخر انہوں نے سر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ایک عادت اس میں ایسی تھی کہ وہ کوشش کے باوجود اس سے رہ نہیں سکتا تھا اور وہ تھی انگلیوں کو چٹخانا۔"

انسپکٹر جمشید سوچ میں ڈوب گئے... وہ غور کر رہے تھے کہ ان لوگوں میں سے کیا کسی نے اب تک انگلیاں چٹخائی ہیں... لیکن یاد نہ آسکا... اس کا مطلب تھا... شاید ایسا کسی نے نہیں کیا۔

"ابھی تک شاید ہمارے سامنے کسی نے انگلیاں نہیں چٹخائی... اب یا تو وہ اپنی یہ عادت چھوڑ چکا ہے... یا پھر ان لوگوں میں کاشف نیاز ہے ہی نہیں لہٰذا کوئی اور عادت یا حرکت بتائیں۔"

اجمل ضیائی ایک بار پھر سوچ میں ڈوب گئے... پھر وہ بہت زور سے اچھلے ان کی آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی۔

☆☆☆

سناٹا

"معلوم ہوتا ہے، آپ کو کوئی بات سوجھ گئی ہے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے... کاشف نیاز کی ایک بات مجھے یاد آئی ہے... اس وقت وہ اس کا بہت عادی تھا... اور وہ عادت تھی دائیں کان کی لو کو بار بار کھینچنا... خاص طور پر باتیں کرنے کے دوران وہ ایسا کرتا تھا۔"

"نن نہیں..." ان کے منہ سے نکلا، کیونکہ ایک شخص کو وہ ایسا کرتے دیکھ چکے تھے...

"آیئے چلیں... اب ہم جان گئے ہیں... اور آپ نے بھی جان لیا ہے کہ مجرم کون ہے... یہی بات ہے نا۔"

"شش شاید... اگر کان کی لو والی بات کو بنیاد بنا کر دیکھا جائے تو پھر تو مجرم وہی بنتا ہے... ورنہ کوئی اور بھی ہو سکتا ہے..."

"لیکن ان حالات میں، جب کہ یہاں ایک ایسا شخص موجود ہے...

ہم کسی اور کے بارے میں کیسے سوچ سکتے ہیں... اب تو گویا یہ بات بالکل ظاہر ہو گئی ہے۔"

یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنا رخ باقی لوگوں کی طرف کر لیا... اور ان کے نزدیک پہنچ کر بولے:

"کیس مکمل ہو گیا... اب تو بس تفصیلات بتانا ہیں... لیکن اس سے پہلے ہم انسپکٹر اعظم بیگ کو بلا لیتے ہیں... کیونکہ آخر مجرم کو قانون کے حوالے بھی تو کرنا ہو گا..."

یہ کہ کر وہ انسپکٹر اعظم کے نمبر ملانے لگے، پھر سلسلہ ملنے پر بولے:

"انسپکٹر اعظم صاحب! انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں... ایک اور خاص بات سامنے آئی ہے اور اس کی وجہ سے کیس بالکل واضح ہو گیا ہے... مہربانی فرما کر آپ یہاں تشریف لے آئیں... تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے..."

"جی اچھا! میں آرہا ہوں، آپ مطمئن رہیں۔"

پھر وہ سب سوچ میں ڈوب گئے... سب کے چہروں پر پریشانی اور اُلجھن کے آثار تھے... آخر انسپکٹر اعظم بیگ وہاں پہنچ گیا... اب سب لوگ ایک بڑی میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ گئے... ان کی نظریں انسپکٹر جمشید پر جمی تھیں... جب وہ کچھ نہ بولے تو انسپکٹر اعظم نے تنگ آکر کہا:

"اب آپ بتائیے... یہاں کیا بات پیش آگئی ہے..."

"میں عرض کرتا ہوں... یہ کہانی رقعہ ملنے سے شروع ہوئی تھی...

اس رقعے کے الفاظ بہت خوفناک تھے... ارے ہاں... میں ایک اور رقعے کے بارے میں تو بھول ہی گیا... محمود، فاروق اور فرزانہ! یہ رقعہ لو اور ذرا اسے گھر سے باہر جا کر پڑھو۔"

"جی اچھا۔" تینوں ایک ساتھ بولے اور رقعہ ان سے لیتے ہی باہر چلے گئے... اب ان سب کی آنکھوں میں الجھن اور زیادہ ہو گئی... انسپکٹر جمشید نے پھر کہنا شروع کیا:

"رقعے کے الفاظ نے ان سب حضرات کو پریشان کر دیا... اور یہ بے چارے پریشان نہ ہوتے تو کیا کرتے... ایسے میں یہاں آدھمکے ہم... ہمیں پہلی عجیب چیز تو یہ معلوم ہوئی کہ اس جھیل کی تہ میں ایک آنکڑا موجود ہے... جو غوطہ لگانے والے کسی بھی شخص کی جان لے سکتا ہے... دوسری طرف مہمانوں کی کاروں میں سے ایک کار میں پھانسی کا پھندہ لٹک رہا تھا... وہ بھی خوفناک چیز تھی... آخر ہماری اجمل ضیائی صاحب اور مہمانوں سے ملاقات ہوئی... ہم نے انہیں دونوں چیزوں کے بارے میں بتایا... لیکن جب سب لوگ دیکھنے کے لیے آئے تو دونوں چیزیں غائب تھیں... یہاں یہ بات رہ گئی کہ جس کار میں پھندہ تھا، وہ عارف تیمور صاحب کی تھی... لیکن یہ سب کے ساتھ اندر موجود تھے... یہ اس بات سے بھی انکاری تھے کہ اپنی کار میں پھندہ انہوں نے لٹکایا ہے، بلکہ ان کا کہنا تھا کہ انہیں اس پھندے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں... اب ظاہر ہے... یہاں موجود کوئی شخص بھی ان دونوں چیزوں کو اس قدر جلد غائب نہیں کر سکتا تھا... یہاں پہلا سوال یہ ہے کہ اتنی جلد دونوں

چیزیں غائب کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی... اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں سے جس شخص کا تعلق تھا... اس نے ہمیں پہچان لیا تھا... لہٰذا اس نے یہی مناسب جانا کہ ان دونوں چیزوں کو غائب کر دو... کہیں ان کے ذریعے وہ پھنس نہ جائے... اب سوال یہ ہے کہ اس قدر جلد کون دونوں چیزوں کو غائب کر سکتا تھا...''

یہاں تک کہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے... لان پر اب موت کا سناٹا طاری ہو چکا تھا... آخر انسپکٹر جمشید ہی بولے:

''صاف اور سیدھی بات ہے، یہ موقع گھر کے دونوں ملازموں کو حاصل تھا۔''

''نن... نہیں۔'' دونوں بری طرح اچھلے... بات چیت شروع ہونے سے پہلے انہیں بھی وہیں بلا لیا گیا تھا۔

ان کی آنکھوں میں بے پناہ خوف سمٹ آیا:

''ہاں اور کیا... تم دونوں کے سوا اور کون یہ کام اس قدر آسانی سے کر سکتا تھا... بلکہ میں تو یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ یہ دونوں چیزیں کار میں اور جھیل میں رکھی بھی تم دونوں نے تھیں۔''

''نن نہیں۔''

''اب یہ اور بات ہے کہ تم دونوں نے یہ سب کام اپنی مرضی اور اپنے کسی منصوبے کے تحت نہ کیا ہو... بلکہ ایسا کرنے کے لیے تم کو اجمل ضیائی صاحب نے کہا ہو۔''

''کیا!!!'' اس مرتبہ اجمل ضیائی چلائے تھے۔

اب وہاں پھر موت کا سناٹا طاری ہو چکا تھا... ہر کوئی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا... ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز گونجنے لگی:

''اب اس موقعے پر مشکل ایک اور پیش آگئی...''

''اور... اور وہ... کیا؟'' کئی آوازیں ابھریں۔

''رقعے کی تحریر یہاں موجود کسی بھی شخص کی تحریر سے بالکل نہیں ملتی تھی... اس چیز نے معاملہ گڑبڑ کر دیا... اگر تحریر مل جاتی تو ساتھ ہی یہ معاملہ ختم تھا... سوال یہ ہے کہ آخر تحریر کیوں نہیں ملی... آپ سب میں سے کسی ایک کی تحریر تو ملتی... لیکن ایسا نہیں تھا... لہٰذا ہم کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے... ان حالات میں دن تمام ہو گیا اور رات نے آڈیرہ جمایا... اب کے معلوم تھا... قاتل بھی اپنے پروگرام پر عمل کرنے کی ٹھان چکا ہے... ورنہ ان دونوں چیزوں کے غائب ہو جانے کی بنا پر ہم یہ خیال کر بیٹھے کہ رقعہ لکھنے والا اب اپنے پروگرام پر عمل نہیں کرے گا... لیکن یہ اس کا دھوکا تھا... اس نے دونوں چیزیں اسی لیے تو غائب کی تھیں کہ ہم اس کی طرف سے بے فکر ہو جائیں... کسی کو پہرے پر مقرر نہ کریں... بس اس نے وار کر دیا... وار کرنے کے لیے اس نے سرفراز جونی کی کھڑکی کا انتخاب کیا... اور یہ سارا پروگرام وہ پہلے ہی بنا چکا تھا... اس نے وار کیا اور واپس لوٹ گیا... اس طرح اسے دروازہ نہیں کھولنا پڑا یا کھلوانا نہیں پڑا... آسانی سے کام ہو گیا... گویا اس نے اپنا وہ انتقام لے لیا جس کی آگ میں وہ بچپن سے جھلس رہا تھا...''

''تب پھر وہ میں کیسے ہو سکتا ہوں... سرفراز جتوئی نے مجھ پر تو ظلم ڈھایا ہی نہیں تھا۔'' اجمل ضیائی بول پڑے۔

''اس کا جواب بھی موجود ہے۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''اور وہ کیا؟'' اجمل ضیائی کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

''یہ کہ آپ نے جو کہانی سنائی ہو... قتل کی وجہ وہ نہ ہو، بلکہ کچھ اور وجہ ہو اور یہ کہانی آپ نے سنائی ہی اس لیے ہو کہ کوئی آپ پر شک نہ کر سکے... ہر کوئی اس کاشف نیازی کو مجرم خیال کرتا رہے...''

''ارے باپ رے... آپ تو مجھے مجرم بنائے دے رہے ہیں۔'' اجمل ضیائی گھبرا گئے۔

''اور یہی صورت عارف تیمور صاحب کی ہے... اس بات کا زبردست امکان ہے کہ وہ گھر سے پھندہ اور آنکڑا لے کر چلے ہوں... کار سے اترتے وقت انہوں نے پھندہ کار میں لٹکا دیا ہو اور ٹہلنے کے بہانے آنکڑہ جھیل میں ڈال دیا ہو... تاکہ یہ سب لوگوں کو خوف کے جال میں پھانس سکیں۔''

''تب پھر میں نے آنکڑہ کب نکالا اور پھندہ کب ہٹایا۔'' عارف تیمور نے برا سا منہ بنایا۔

''اس کا بھی جواب ہے... اور وہ یہ کہ آپ نے پہلے ہی کوئی مددگار مقرر کر لیا تھا... یا پھر اجمل ضیائی صاحب کے دونوں ملازموں کو ساتھ ملا لیا ہو گا۔''

''نن نہیں... میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا... پھندہ کسی اور نے

میری کار میں لٹکایا تھا... تاکہ شک کی زد میں میں آؤں۔''

''خیر خیر... میں آگے چلتا ہوں...

''اب میں آتا ہوں قاسم گبور صاحب کی طرف... ان کی خاص بات یہ ہے کہ یہ بھی اتفاق سے اجمل ضیائی کے بچپن کے دوست ہیں۔ اسی سکول میں پڑھتے تھے۔ اس واقعے کے گواہ بھی ہیں... لیکن اس واقعے کی آڑ لے کر یہ بھی اپنی کوئی دشمنی سرفراز جتوئی سے نکال سکتے تھے۔''

''تب پھر میرا سوال بھی وہی ہے... میں نے پھندہ اور آنکڑہ کس طرح غائب کیا۔''

''ہمارا جواب بھی وہی ہے... کسی پوشیدہ مددگار کے ذریعے یا پھر اجمل ضیائی صاحب کے ملازمین کے ذریعے۔''

''آپ تو ہمیں ہر ایک کے ساتھ نتھی کر رہے ہیں۔'' رانا نے جھلا کر کہا۔

''بھئی سنتے جائیں... اگر آپ اس جرم میں شریک ہیں تو آپ بچیں گے نہیں اور اگر آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے تو آپ کا بال بھی بیکا نہیں ہو گا۔''

''اچھی بات ہے۔'' ہاشم زبردستی مسکرایا۔

''قاسم گبور صاحب کے بعد باری آتی ہے... شعبان سلیم صاحب کی... یہ بھی ان کے بچپن کے ساتھی ہیں اور اسی سکول میں پڑھتے تھے... اور اس واقعے کے یہ بھی گواہ ہیں... لہٰذا اس جرم میں ان کا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔''

''ارے باپ رے۔'' شعبان سلیم کا رنگ اڑ گیا۔

''باقی رہ گئے کاشف بارو، طفیل منا، انصار خان اور جالب نور...
انہیں بھی وہی مواقع حاصل تھے... مطلب یہ کہ آٹھ کے آٹھ افراد اور دونوں
ملازم بھی مجرم ہو سکتے ہیں۔''

''اللہ اپنا رحم فرمائے... اتنے بہت سے مجرم کیسے ہو سکتے ہیں...
مجرم تو ایک یا دو ہی ہو سکتے ہیں۔'' اجمل ضیائی نے بھنا کر کہا۔

''انسپکٹر اعظم بیگ... آپ وضاحت کر دیں... جو میں کہہ رہا
ہوں... وہ درست ہے یا نہیں۔''

''آپ... آپ بالکل ٹھیک ہیں... لیکن پھر بھی مجرم تو کوئی ایک یا
دو ہی ہیں۔''

''میں نے تو صرف یہ بتایا ہے کہ ہر شخص مجرم ہو سکتا ہے... لیکن جرم
کی وجہ... صرف ایک کے پاس زیادہ واضح اور اہم ہے۔''

''جی... وہ کس کے پاس۔''

''قاتل کے پاس... اس نے انتقام کے جذبے کو سلانے کے لیے یہ
جرم کیا ہے۔ اب ظاہر ہے... وہ کاشف نیازی ہے... لیکن اس وقت اس کا
کیا نام ہے... وہ کس روپ میں ہے... دیکھنا یہ ہے... اس سلسلے میں رقعے کی
تحریر ہمارے کام آ سکتی تھی... لیکن افسوس! یہاں موجود تمام حضرات میں سے
کسی کی تحریر بھی اس سے نہیں ملی... ورنہ وہ فوراً سامنے آ جاتا... البتہ ایک بات
ہے؟'' وہ ایک بار پھر کہتے کہتے رک گئے۔

''اور وہ کیا بات ہے جمشید... ذرا جلدی راز سے پردہ اٹھاؤ...

مارے بے چینی کے برا حال ہے۔''

''بس میں اسی طرف آ رہا ہوں... دراصل مجھے محمود، فاروق اور
فرزانہ کا انتظار تھا... اور وہ اب آنے ہی والے ہوں گے۔''

''آپ کا خیال درست ہے ابا جان؟'' تینوں کی آواز سنائی دی۔

اور پھر وہ کمرے میں داخل ہو گئے... ان کے چہروں پر جوش صاف
نظر آ رہا تھا:

''ہاں تو کیا رپورٹ ہے؟''

''آپ کا خیال سو فیصد درست نکلا۔''

''بہت خوب!'' یہ کہہ کر وہ باقی لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

''میں کہہ رہا تھا... البتہ ایک بات ہے... اور وہ یہ کہ ہم نے سب
لوگوں کی تحریر تو اس رقعے کی تحریر سے ملا کر دیکھ لی، لیکن افسوس! ہم انسپکٹر اعظم بیگ
کی تحریر نہ ملا سکے... اس لیے کہ یہ آئے ہی بعد میں تھے اور اس وقت ہم سب سوچ
بھی نہیں سکتے تھے کہ اس معاملے سے ان کا بھی کوئی تعلق ہو سکتا ہے... لیکن بعد
میں جب ہم نے سوچنا شروع کیا... تو پھر اس کی ضرورت محسوس ہونے لگی... ہم
نے سوچا، انسپکٹر صاحب کی تحریر کو رقعے کی تحریر سے ملا کر دیکھ لیا جائے۔''

''شوق سے دیکھ لیں... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' انسپکٹر اعظم بیگ
مسکرائے۔

''محمود... رقعہ تمہارے پاس ہے... نکالو اس کو۔''

محمود نے رقعہ نکال کر میز پر رکھ دیا...

"انسپکٹر صاحب! آپ چند جملے لکھ دیں... ہم ابھی بتا دیں گے کہ آپ کی تحریر اور اس رقعے کی تحریر میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔"

"ضرور... کیوں نہیں۔" اس نے کہا اور جملے لکھنے لگا... جلد ہی اس نے کاغذ ان کی طرف سرکا دیا۔

انسپکٹر جمشید نے دونوں تحریروں کو سامنے رکھ کر دیکھا... وہ بالکل مختلف تھیں۔

"ان میں کوئی بات بھی ملتی جلتی نہیں... اس کا مطلب ہے... رقعہ انسپکٹر صاحب نے نہیں لکھا تھا..."

"تب پھر جمشید... آخر رقعہ کس نے لکھا؟" خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

"قاتل نے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"حد ہو گئی... قاتل کون ہے۔"

"جس نے رقعہ لکھا؟"

"مذاق نہ کرو بھائی۔" پروفیسر داؤد نے برا سا منہ بنایا۔

"جی اچھا... اب میں صاف صاف الفاظ میں بات کیے دیتا ہوں... رقعہ انسپکٹر اعظم بیگ نے لکھا تھا۔"

"کیا!!!" وہ سب ایک ساتھ چلائے۔

ان سب کے منہ مارے حیرت کے کھل گئے... آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"یہ... یہ تم نے کیا کہا جمشید... ابھی ابھی تو تم نے کہا ہے... کہ تحریر انسپکٹر اعظم بیگ نے نہیں لکھی تھی۔"

"ہاں! ایسی بات ہے... لیکن تحریر انسپکٹر اعظم بیگ ہی نے لکھی تھی۔" وہ بولے۔

"جمشید کیا ہو گیا تمہیں... کیسی اوٹ پٹانگ باتیں کر رہے ہو۔" خان رحمان جھلا اٹھے۔

"اوہ! معاف کرنا بھئی... واقعی میری باتیں اوٹ پٹانگ ہو چلی ہیں... بات دراصل یہ ہے کہ یہ رقعہ اعظم بیگ صاحب نے دائیں ہاتھ سے نہیں... بائیں ہاتھ سے لکھا ہے... یہ بائیں ہاتھ سے لکھنے کے بھی ماہر ہیں... اور اس بات کا پتا ہم نے ابھی ابھی لگایا ہے۔"

"وہ... وہ کیسے؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"محمود، فاروق اور فرزانہ اس وقت انسپکٹر اعظم بیگ کے گھر سے چلے آ رہے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ وہاں ان کی تحریروں کا جائزہ لینے گئے تھے... انہوں نے اپنی نوٹ بکوں پر دونوں ہاتھوں سے تحریر لکھ کر موازنہ کیا... یہ دیکھا ہے کہ ان کی بائیں کی تحریر دائیں ہاتھ کی تحریر سے بالکل مختلف ہے یا نہیں... معلوم ہوا... بالکل مختلف ہے... اور یہ رقعہ انہوں نے بائیں ہاتھ سے لکھا تھا... دراصل انسپکٹر صاحب نے یہاں آنے والے مہمانوں میں سرفراز جتوئی کو دیکھ کر پہچان لیا

تھا... کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ یہاں سے خود انسپکٹر صاحب ہی بیان کرنا شروع کر
دیں۔'' انہوں نے دیکھا انسپکٹر کے چہرے پر اپنے جرم کا کوئی ملال نہیں تھا۔ بلکہ
اس نے بڑی ڈھٹائی سے کہنا شروع کیا۔

''ہاں! کیوں نہیں... بچپن ہی سے میں اس شخص سے شدید نفرت
کرنے لگا تھا... اور میرا جی چاہتا تھا... بس کسی طرح اسے ختم کر دوں...
کیونکہ اس چوٹ کی وجہ سے میری زندگی کی کامیابیوں میں رکاوٹ پیش آگئی
تھی... میری قابلیت وہ نہیں رہ گئی تھی... اس طرح میں ایک بڑا آفیسر بھی نہ بن
سکا... جس کی کہ مجھے شدید خواہش تھی... میں اپنی خواہشات کا قاتل سرفراز
جنونی کو خیال کرتا رہا... اور اس کے خلاف میرے اندر نفرت کا لاوا پکتا چلا
گیا... میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ زندگی کے کسی موڑ پر اگر میرے سامنے آگیا تو
میں اس سے اپنا حساب ضرور لوں گا... اور یہ ایک حیرت انگیز اتفاق تھا کہ میں
ان دنوں یہاں لگا ہوا تھا اور یہاں مجھے اجمل ضیائی نظر آگئے... میں نے انہیں
پہچان لیا... پھر مجھے ان کا معمول پتا چلا... کہ یہ اپنے سب دوستوں کو یہاں
بلاتے ہیں... اس وقت میں نے سوچا... کاش یہاں سرفراز جنونی بھی آجائے
اور وہ آگیا... بس اسے دیکھ کر میں نے اپنا منصوبہ بنا لیا... تاہم میری کوشش
پہلے یہی تھی کہ وہ اپنا ظلم تسلیم کر لے اور سب کے سامنے اس ظلم کا اقرار کر
لے... اس صورت میں میں نے سوچا تھا... اسے معاف کر دوں گا... لیکن وہ
ٹس سے مس نہ ہوا... اس پر بھی پہلے میں نے اسے خوف زدہ کرنے کا پروگرام
بنایا... وہ پھندہ اور آنکڑا اور اصل اسے ڈرانے کے لیے تھے... وہ ڈرا ضرور

لیکن... ظلم کا اقرار پھر بھی نہ کر سکا... آخر میں نے سوچا... میں اب انسپکٹر
ہوں... مجھ پر تو کسی کا شک جائے گا ہی نہیں... نہ میں اپنے جرم کا کوئی سراغ
چھوڑوں گا... بائیں ہاتھ سے لکھنے کی مشق میں پہلے ہی کر چکا تھا... سو رقعہ میں
نے اس ہاتھ سے لکھا... لیکن مجھے معلوم نہیں تھا... آپ لوگ بھی یہاں آجائیں
گے اور میرا جرم آشکار کر کے رہیں گے... افسوس... صد افسوس۔ لیکن مجھے خوشی
ہے میں نے اپنا انتقام لے لیا...... میں کامیاب ہو گیا۔ اب مجھے کوئی پرواہ نہیں
کہ میرے ساتھ کیا ہوتا ہے...... میں نے اپنی زندگی کا مقصد حاصل کر لیا۔'' یہ
کہتے ہوئے اس کی آواز گھٹ گئی... اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''ہمیں بھی افسوس ہے... سرفراز جنونی کی وہ سوچ... بالکل غلط
سوچ تو بچپن کی تھی... اور بچپن میں ایسے غلط کام ہو جاتے ہیں... لیکن آپ
نے جوانی کے عالم میں یہ کام کیا... جو کہ نہیں کرنا چاہیے تھا... کاش آپ''
انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔

''کاش آپ کیا۔'' وہ بول اٹھا۔

''کاش آپ اپنی سوچ کو مثبت رکھتے...... آپ تو بہت ہونہار طالبعلم
تھے، شاید آپ کی تربیت میں بھی کچھ خامی رہ گئی تھی...... ورنہ آپ سرفراز جنونی کو
معاف کر دیتے۔ وہ تو تھا ہی جنونی...... آپ بھی کچھ کم نہ نکلے۔ ہمارے مذہب
بلکہ ہر مذہب کی تعلیم بھی تو یہی ہے کہ دشمن کو معاف کر دو اور اپنا معاملہ اللہ کے
حوالے کر دو۔ دوسرے یہ کہ اگر آپ اپنے انتقامی جذبے سے اس حد تک تنگ
آچکے تھے... تو پھر آپ ان کے سر پر ایک ضرب لگا کر اپنا انتقام پورا کر سکتے

تھے... انہیں جان سے مارنے کی تو کوئی ضرورت تھی ہی نہیں۔'' یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

سب لوگ سوچ میں گم ہو چکے تھے... اور ایک بوجھل سی خاموشی طاری ہو چکی تھی...

---------☆☆ختم شد☆☆----------

D-83 سائٹ۔ کراچی
فون: 2578273 - 2581720
e-mail: atlantis@cyber.net.pk

یکم اگست کو شائع ہونے والے ناولوں کی ایک جھلک

خوف کا سایہ — 30 روپے
اشتیاق احمد کا تازہ ترین ناول

پولیس کو ایک سڑک کے کنارے سے ایک لاش ملی ہے...... مگر لاش ہے کس کی یہ کسی کو علم نہیں ہے...... تمام تر کوشش کے باوجود پولیس یہ سراغ لگانے میں اب تک ناکام ہے کہ اس دوران اخبار میں شائع ہونے والی ایک خبر نے انسپکٹر جمشید کو چونکا دیا ہے۔ مقتول کے حوالے سے شائع شدہ اس خبر کے بعد انسپکٹر جمشید نے مقتول کی لاش کا معائنہ کیا ہے اور پھر وہ بری طرح خوفزدہ ہو گئے ہیں...... انسپکٹر جمشید جیسے سراغرساں کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں نظر آنا بہت عجیب سی بات ہے۔ یکم اگست کو پڑھنا نہ بھولئے **خوف کا سایہ**

راکڈوم کا حملہ — 130 روپے
اشتیاق احمد کا ایک اور جیرال خاص نمبر

دارالحکومت کو سیل کر دیا گیا ہے...... دوست ممالک کی ایک اہم ترین دفاعی نوعیت کی کانفرنس کی تیاریاں جاری ہیں۔ تاریخ کے سخت ترین حفاظتی اقدامات کئے جا رہے ہیں اور انہی دنوں میں جیرال بھی خفیہ طور پر پاکستان میں موجود ہے...... وہی جیرال جس سے آپ پہلے بھی مل چکے ہیں...... لیکن کوئی نہیں جانتا کہ جیرال کس روپ میں اور کس طرف سے حملہ کرے گا...... انسپکٹر جمشید کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہے کہ جیرال کہاں ہے...... اور جیرال کو پہچانا بھی تو کس نے؟ یہ جاننے کیلئے یکم اگست کو پڑھئے **راکڈوم کا حملہ**

دوسرا جیرال — 130 روپے
اشتیاق احمد کا سنسنی خیز خاص نمبر

آسمان سے گرنے والے آگ کی مانند سرخ خلائی جہاز کو دیکھنے والی ایک بچی ہے... خلائی جہاز کے زمین پر آتے ہی انشارجہ میں ہلچل مچ گئی ہے۔ اور ادھر پاکستان میں انسپکٹر جمشید اپنے صحن کے فرش پر کیچڑ بھرے جوتے کا نشان دیکھ کر چکرا گئے ہیں... کیونکہ یہ نشان جیرال کا نشان ہے... وہی جیرال جو انسپکٹر جمشید کے ہاتھوں مر چکا ہے... جیرال واپس آ چکا ہے؟ لیکن وہ جو مر چکا ہے واپس کہاں سے آ گیا؟ انسپکٹر جمشید ٹیم کی سرتوڑ کوشش کے باوجود جیرال اپنے منصوبے میں کامیاب ہوتا نظر آ رہا ہے۔ یکم اگست کو پڑھنا نہ بھولئے **دوسرا جیرال**

مشن ابظال — 130 روپے
اشتیاق احمد کا ایک شاہکار خاص نمبر

انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کو معطل کر دیا گیا ہے اور یہ معطلی براہِ راست صدرِ مملکت کے حکم سے ہوئی ہے...... پھر ایسے میں بین الاقوامی مجرم ابظال ان کے مقابلے میں اتر آیا ہے...... پورے ملک کی پولیس، فوج یہاں تک کہ صدر تک ابظال کے ساتھ ہیں...... سب ہی جانتے ہیں کہ ابظال وہ ہے جو کسی کو نظر نہیں آتا...... کوئی اسے دیکھ نہیں سکتا...... اب وہ بے بس ہیں اور ابظال کی سازش کو بے نقاب کرنے کے تمام راستے بند ہیں۔ نظر نہ آنے والا دشمن انہیں قدم قدم پر شکنیاں دے رہا ہے...... یکم اگست کو پڑھنا نہ بھولئے **مشن ابظال**

آپریشن جیرال ابظال — 130 روپے
اشتیاق احمد کا حیرت انگیز خاص نمبر

ملک میں ایک علاقہ ایسا موجود ہے جس پر حکومت کا کنٹرول ختم ہو چکا ہے... اور اس راز سے کوئی واقف نہیں ہے۔ ہولناک ترین بات یہ ہے کہ یہ علاقہ دشمن ملک کی سرحد پر واقع ہے... اس دشمن ملک کی سرحد پر جس کیلئے آج کل جیرال اور ابظال ایک بڑے فوجی پلان پر کام کر رہے ہیں... اس دوران ایک ایسی خبر سامنے آئی ہے کہ پوری حکومت سکتے میں آ گئی ہے... خونریز دھماکوں کا سلسلہ پورے ملک میں شروع ہو گیا ہے... ان حالات میں انسپکٹر جمشید، کامران مرزا اور شوکی برادرز کے سامنے دو راستے ہیں... اور دونوں راستے ملک کیلئے تباہ کن ہیں۔ یکم اگست کو شائع ہو رہا ہے۔

D-83 سائٹ۔ کراچی
فون: 021-2581720
021-2578273
ای میل: atlantis@cyber.net.pk